لاتدعُ مع اللہِ الٰھاً آخر (القرآن الحکیم)
"اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو مت پکارو"
قبر پرستی
ایک حقیقت پسندانہ جائزہ
تالیف
حافظ صلاح الدین یوسف
مشیر وفاقی شرعی عدالت۔ پاکستان
دار الدعوۃ السلفیۃ
شیش محل روڈ - لاہور ۲

لَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ (القرآن الحکیم)

"اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو مت پکارو"

قبر پرستی

ایک حقیقت پسندانہ جائزہ

تالیف

حافظ صلاح الدین یوسف

مشیر وفاقی شرعی عدالت۔ پاکستان

دار الدعوۃ السلفیۃ

شیش محل روڈ - لاهور ۲

سلسلۂ اشاعت ۲۶

تالیف ——— حافظ صلاح الدین یوسف

ناشر ——— دارالدعوۃ السلفیہ۔ لاہور

قیمت ——— تبلیغی فنڈ میں حصہ ———
اور زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچانا

طابع ——— زاہد بشیر پرنٹرز۔ لاہور

تاریخ طبع ——— جمادی الثانیہ ۱۴۰۶ھ

مارچ ——— ۱۹۸۶ء

خط و کتابت کا پتہ

دارالدعوۃ السلفیہ

شیش محل روڈ • لاہور ۲

فون نمبر • ۵۴۴۰۶۴

فہرست مضامین

۱ - غیر اللہ کو مدد کے لئے پکارنا شرک ہے یا نہیں ؟

دُعا (پکارنا) عبادت ہے یا نہیں ۔

صحابہؓ و تابعین نے کسی مُردے کو نہیں پکارا

مشرکین بھی فاعلِ حقیقی اللہ ہی کو مانتے تھے ۔

فقہ حنفی کی صراحت

یا "شیخ عبدالقادر شیئاً للہ" کیوں ناجائز ہے ؟

قبر پرستوں کا شرک صحیح

دعوتِ توحید

— ۲ —

قبر پرستی کی ایک "وکالت" کا جائزہ

— ۳ —

"رضائے مصطفےٰ" کے سوالات کے جوابات

۴ - بزرگانِ دین کی قبروں پر میلوں ٹھیلوں کا اہتمام ؟

۵ - قبروں میں مدفون بزرگ اور حضرت شاہ ولی اللہؒ

۶ - محکمۂ اوقاف کے ذرائع آمدنی

۷ - "نوائے وقت" کے کالم "نُورِ بصیرت" کے جواب میں

کچھ بدعات کے بارے میں

۸ - حرمین شریفین، سُلطان عبدالعزیز اور انہدامِ قبور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

اس کتابچے میں راقم الحروف کے چند وہ مضامین شامل ہیں جو قبر پرستی کے ردّ میں تحریر کئے گئے تھے اور "الاعتصام" میں مختلف اوقات میں شائع ہو چکے ہیں۔

ان مضامین میں اُن "دلائل" کا مختصر جائزہ لیا گیا ہے جو قبر پرستی جیسے شرکِ صریح کے جواز میں بالعموم بریلوی علماء یا ان کے ہمنوا اہلِ قلم کی طرف سے پیش کئے جاتے ہیں۔

جن حضرات کی نظر سے یہ مضامین گذرے تھے، ان کی خواہش تھی، کہ انہیں کتابی شکل میں شائع کر دیا جائے تاکہ ان کا دائرۂ افادیت زیادہ وسیع ہو جائے۔

انہی احباب اور بزرگوں کی خواہش پر یہ مجموعہ شائع کیا جا رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ذات سے کوئی بعید نہیں کہ وہ اس کے ذریعے سے گم گشتگانِ راہ ہدایت کو توحید و سنّت کی صراطِ مستقیم کی سمجھ عطا فرما دے اور شرک و بدعت سے تائب ہونے کی توفیق سے نواز دے۔ وما ذالک علی اللہ بعزیز

یہ مضامین چونکہ مختلف اوقات میں لکھے گئے ہیں اور موضوع سب کا تقریباً ایک ہی ہے اس لیے بعض جگہ تکرار کی صورت بن گئی۔ تاہم اسے اس لئے رہنے دیا گیا کہ تکرار بھی بات کو ذہن نشین کرانے کے لئے مفید ہے۔ واللہ یہدی من یشاء الی صراطٍ مستقیم۔

صلاح الدین یوسف
ایڈیٹر "الاعتصام" لاہور

جمادی الثانیہ ۱۴۰۶ھ
مارچ ۱۹۸۶ء

— ۱ —

غیر اللہ کو مدد کے لئے پکارنا شرک ہے یا نہیں؟

ایک علمی جائزہ

روزنامہ "جنگ" لاہور کی متعدد قسطوں میں مدیر "رضوان" لاہور، جناب مولانا محمود احمد رضوی کا ایک مضمون شائع ہوا ہے جو ہے تو کسی اور سلسلے میں لیکن اس میں اس بہانے یہ بھی کہا گیا ہے کہ "غیر اللہ کو مدد کے لئے پکارنا شرک نہیں ہے کیونکہ

"غیر اللہ کو مدد کے لئے پکارنا شرک ہے تو معلوم ہونا چاہیئے کہ شروع سے یعنی صحابہ کرام سے لے کر اب تک مسلمانوں کا اس پر اجماع و اتفاق رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو مؤثر حقیقی و فاعل حقیقی اعتقاد کرتے ہوئے اور بزرگان دین کو وسیلۂ امداد و مظہر اعانتِ الٰہی قرار دیتے ہوئے ان سے استغاثہ کرنا اور ان کو امداد کے لئے پکارنا جائز ہے۔ چنانچہ فتاویٰ کی کتابوں میں سے مشہور کتاب فتاویٰ خیریہ میں ہے "یا شیخ عبدالقادر شیئاً للہ" کہنا جائز ہے۔ کیونکہ یہ پکار محض ہے اور اللہ کے لئے ان سے سوال ہے۔ اسی طرح امام شمس الدین الرملی الشافعی اپنے فتاویٰ میں فرماتے ہیں "انبیاء، رسولوں، اولیاء، علماء اور صالحین سے استغاثہ کرنا (ان کو امداد کے لئے پکارنا) جائز ہے۔ اللہ کے رسول و پیغمبر و اولیاء و صالحین وصال کے بعد بھی مدد کر سکتے ہیں۔"

(خلاصہ از اخبار مذکور قسط ۲ و ۳)

(یہی مضمون جناب رضوی صاحب کے ماہوار رسالے "رضوان" لاہور (جولائی ۱۹۸۲ء) میں بھی شائع ہوا ہے)

دُعا (پکارنا) عبادت ہے یا نہیں؟

ہم اب مختصراً اخبار مذکورہ کے " دلائل " کی حیثیت واضح کرتے ہیں. سب سے پہلے تو یہ کہا گیا ہے کہ غیر اللہ کو مطلقاً پکارنا شرک نہیں ہے، البتہ غیر اللہ کی عبادت و پرستش شرک ہے۔ بلاشبہ مطلقاً پکارنا شرک نہیں ہے. ہم اپنے بچے کو پکار کر بلاتے ہیں، کسی دوست کو آواز دیتے ہیں اور کسی کو زور سے ندا دیتے ہیں۔ یہ شرک نہیں ہے نہ یہ پکارنا ما بہ النزاع ہے ۔ ما بہ النزاع پکارنا (جو شرک کی ایک صورت ہے) وہ ہے جو لوگ مُردہ (قبروں میں مدفون) لوگوں کو مافوق الاسباب طریق سے پکارتے ہیں۔ جیسے " یا شیخ عبدالقادر شیئاً للہ" " یا رسول اللہ اغثنا" " یا علی مدد" وغیرہ یہ پکارنا شرک ہی کے ذیل میں آتا ہے کیونکہ پکارنے والا ان کی بابت یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ ہزاروں میل کے فاصلے کے باوجود یہ مُردہ بزرگ میری آواز کو سنتا ہے ۔ میرے حالات سے با خبر ہے ۔ وہ حاضر ناظر ہے اور کائنات میں تصرّف کرنے کا اختیار رکھتا ہے ۔ اسی لیے یہ شخص اس بزرگ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اس کے نام کی نذر نیاز دیتا ہے ۔ اس کے نام پر جانور قربان کرتا ہے ۔ اس کی قبر پر غلاف چڑھاتا ہے ۔ اور اس کی ناراضی سے ڈرتا ہے ۔ اس کا اعتقاد ہوتا ہے کہ اگر میں نے گیارھویں نہ دی (یعنی اس بزرگ کے نام کی نیاز نہ دی) تو وہ مجھ سے ناراض ہو جائیں گے ۔ میرے کاروبار کو نقصان پہنچائیں گے ۔ حالانکہ عالم الغیب، نافع وضارّ، حاضر وناظر اور متصرّف فی الامور، صرف اللہ کی ذات ہے اور یہ تمام صفات اللہ کے لئے خاص ہیں ۔ جن میں اس کا کوئی شریک نہیں لیکن " یا علی مدد" یا " یا شیخ عبدالقادر شیئاً للہ" وغیرہ پکارنے والا یہ تمام صفاتِ خداوندی اس مُردہ بزرگ میں تسلیم کرتا ہے اور اس بزرگ کو ان الوہی صفات میں شریک مانتا ہے ۔

اس عقیدے کے ساتھ کسی بھی مُردہ شخص کو پکارنا ہی اس کی عبادت و پرستش

ہے۔ اسی کو قرآن نے "یَدْعُوْنَ" کے لفظ سے تعبیر کیا ہے جس کے معنی محترم مضمون نگار نے خود ہی "عبادت و پوجا" کئے ہیں۔ شاید موصوف سمجھتے ہیں کہ عوام کو اس طرح مغالطہ دینا آسان ہے کہ ہم تو بزرگوں کو صرف پکارتے ہیں، ان کی عبادت و پرستش نہیں کرتے حالانکہ اس طرح ما فوق الاسباب طریقے سے کسی کو پکارنا، یہی اس کی عبادت ہے۔ اسی لئے دعاء (پکارنا) بھی بلا اختلاف عبادت ہی سمجھی جاتی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے اَلدُّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةُ (مشکوٰۃ۔ کتاب الدعوات ص ۱۹۴) پکارنا (دعا کرنا) یہی عبادت ہے"، بلکہ دوسری روایت میں فرمایا: اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ! (حوالہ مذکور) "دعا (پکارنا) عبادت کا مغز ہے" اور قرآن کریم نے بھی دعاء کو عبادت ہی کہا ہے، فرمایا: وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَكُمْ اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِیْ سَیَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دَاخِرِیْنَ (المؤمن۔ ۶۰) "اور تمہارے رب نے فرمایا۔ مجھے پکارو۔ میں تمہاری پکار کو قبول کروں گا، بلاشبہ جو لوگ میری عبادت (یعنی مجھے پکارنے اور مجھ سے دعائیں کرنے) سے انکار کرتے ہیں، عنقریب وہ جہنم میں ذلیل و خوار ہو کر داخل ہوں گے"۔

یہاں "یَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ دَعْوَتِیْ" کی جگہ اللہ تعالیٰ نے "عَنْ عِبَادَتِیْ" کے الفاظ استعمال فرمائے اور قرآن مجید کا یہ سیاق صاف بتلا رہا ہے کہ ما فوق الاسباب طریق سے کسی کو پکارنا اور حاجت روا و مشکل کشا سمجھ کر اس سے دعاء کرنا اس کی عبادت ہی ہے۔ اس لئے مُردہ بزرگوں کو مدد کے لئے پکارنا اور ان سے استغاثہ کرنا اور "یا شیخ عبد القادر شیئاً للہ" "یا علی مدد" وغیرہ کہنا ان کی عبادت و پرستش ہی ہے۔ قیامت کے دن یہ بزرگ اپنی اس عبادت و پرستش کا بالکل انکار کر دیں گے اور بارگاہ الٰہی میں عرض کریں گے کہ مولائے کریم ہم تو ان کی عبادت اور پوجا (جو یہ دعاء و استغاثہ کی صورت میں ہماری کرتے تھے) سے بالکل بے خبر تھے: "اِنْ كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ لَغٰفِلِیْنَ" (یونس۔ ۲۹) یہاں

بھی مُردہ بزرگوں سے دُعا، تو ان کی عبادت ہی کہا گیا ہے جس سے وہ روزِ قیامت انکار کریں گے اور کہیں گے کہ ہمیں تو ان کی عبادت (دُعا و پکار) کا کوئی علم ہی نہیں۔ بہرحال کسی شخص کو مافوق الاسباب طریق سے اسے حاجت روا اور مشکل کشا سمجھ کر پکارنا، اس سے استمداد کرنا اور اس سے دُعائیں کرنا یہ اس کی عبادت ہی ہے۔ اسے غلط اور تفاسیر کے خلاف کہنا خود غلط بلکہ مغالطہ انگیزی ہے ؎

دیتے ہیں دھوکہ یہ بازی گر کھلا

صحابہؓ و تابعینؒ نے کسی بھی مُردے کو کبھی نہیں پکارا

یہ دعوےٰ کرنا کہ:۔

"صحابہ کرامؓ سے لے کر اب تک مسلمانوں کا اس پر اجماع و اتفاق رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو مؤثر حقیقی و فاعل حقیقی اعتقاد کرتے ہوئے فوت شدہ بزرگانِ دین کو بطورِ وسیلہ پکارنا، ان سے استغاثہ کرنا اور ان کو امداد کے لئے پکارنا جائز ہے۔"

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور اُمتِ مسلمہ پر بہت بڑا افترا اور بہتانِ عظیم ہے۔ سُبْحَانَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيمٌ۔ اگر ایسا ہوتا تو صحابہ کرامؓ کے دَور کی کوئی دلیل پیش کرنی چاہیئے تھی۔ تابعین و تبع تابعین کا کوئی واقعہ پیش کرنا چاہیئے تھا اور کچھ نہیں تو اپنے (امام ابو حنیفہؒ) ہی کا کوئی قول پیش کیا ہوتا۔ فقہ حنفی کی مشہور و متداول کتاب کا کوئی حوالہ دیا ہوتا۔ دعوےٰ تو مقالہ نگار نے اتنا بڑا کیا ہے۔ لیکن حوالہ اگر وہ دے سکے ہیں تو صرف دو غیر معروف کتابوں کا، جن میں سے ایک گیارہویں صدی ہجری کے ایک شافعی فتاویٰ کا ہے نہ صحابہؓ و تابعینؒ کا کوئی مُستند یا غیر مستند حوالہ نہ ائمہ اربعہ نہ مجتہدین سے کسی کا ارشاد اور نہ فقہ حنفی سے کوئی دلیل ——— یہ عجیب اجماع و اتفاق ہے۔

امر واقعہ یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ اور ائمہ عظامؒ اور فقہائے احناف ان میں سے کسی نے

بھی کسی مُردہ کو امداد کے لئے نہیں پکارا۔ کبھی ان سے استغاثہ نہیں کیا۔ کیونکہ ان کا عقیدہ یہی تھا کہ مرنے کے بعد کوئی مردہ کسی کی فریاد نہیں سن سکتا۔ جس کی صراحت قرآن نے کی ہے۔ "وَمَا أَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ" (سورۂ فاطر-۲۲) "اے پیغمبر! تو قبر والوں کو کوئی بات نہیں سُنا سکتا"

ہمارے دعوے کے دلائل

اس کے دلائل سُنیئے۔!

صحیح بخاری میں حدیث موجود ہے۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ كَانَ إِذَا قُحِطُوْا اسْتَسْقَى بِالْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ رضی اللہ عنہ فَقَالَ اللّٰهُمَّ إِنَّا كُنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِنَبِيِّنَا صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَسْقِيْنَا وَإِنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِعَمِّ نَبِيِّنَا فَاسْقِنَا قَالَ فَيُسْقَوْنَ

(صحیح بخاری، ج ا ص ۱۳۷ باب سوال الناس الامام الاستسقاء اذا قحطوا) "حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کے دور میں جب بھی قحط سالی ہوتی تو حضرت عمرؓ حضرت عباسؓ سے بارش کی دعا کرواتے، اور فرماتے اے اللہ پہلے ہم تیرے نبیؐ سے بارش کے لئے دعا کرواتے (جب وہ زندہ ہم میں موجود تھے) تو تو ہمیں بارانِ رحمت سے سیراب فرماتا۔ اب (جبکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں موجود نہیں ہیں) تیرے نبی کے چچا کو ہم تیری بارگاہ میں بطور وسیلہ (یعنی دعا کے لئے) پیش کرکے دعا کر رہے ہیں۔ یا اللہ اس دعا کو قبول فرما۔ ہم پر بارش کا نزول فرما۔ (راوی کہتا ہے) کہ اس پر

بارش ہو جاتی۔"

اور فتح الباری میں حضرت عباسؓ کی دُعاء کے یہ الفاظ منقول ہیں ۔

"اَللّٰھُمَّ اِنَّہٗ لَمْ یَنْزِلْ بَلَاءٌ اِلَّا بِذَنْبٍ وَلَمْ یُکْشَفْ اِلَّا بِتَوْبَۃٍ وَقَدْ تَوَجَّہَ الْقَوْمُ بِیْ اِلَیْکَ لِمَکَانِیْ مِنْ نَبِیِّکَ وَھٰذِہٖ اَیْدِیْنَا اِلَیْکَ بِالذُّنُوْبِ وَنَوَاصِیْنَا اِلَیْکَ بِالتَّوْبَۃِ فَاسْقِنَا الْغَیْثَ" ۔ "یا اللہ بلاؤں کا نزول گناہوں کی وجہ سے ہی ہوتا ہے اور توبہ کے ذریعے سے وہ دُور ہوجاتی ہیں ۔ یا اللہ! تیرے نبی کے ساتھ مجھ کو قریبی تعلق اور نسبت کی وجہ سے جو عزت و مقام حاصل ہے ۔ اس کے پیش نظر انہوں نے مجھے تیری بارگاہ میں ذریعہ بنایا ہے (یعنی دُعاء کے لئے لائے ہیں) یا اللہ! یہ گناہ آلود ہاتھ تیری طرف پھیلے ہوئے ہیں اور ہماری پیشانیاں توبہ کے لئے تیری طرف جھکی ہوئی ہیں ، یا اللہ! ہم پر بارش نازل فرما!"

روایت کے الفاظ ہیں ۔ "فَاَرْخَتِ السَّمَآءُ مِثْلَ الْجِبَالِ حَتّٰی اَخْصَبَتِ الْاَرْضُ وَعَاشَ النَّاسُ" (فتح الباری ، باب مذکور ، پ ۴ ص ۴۹۵ طبع دہلی) "اس دُعاء کے بعد آسمان نے پہاڑوں جیسے دہانے کھول دیئے ۔ زمین خوب شاداب ہوگئی اور لوگوں میں زندگی کی لہر دوڑ گئی"

اس واقعے سے صحابۂ کرامؓ کا طرزِ عمل واضح ہوجاتا ہے کہ انہوں نے کسی مُردہ شخص سے دُعاء نہیں کرائی ۔ حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے استغاثہ نہیں کیا ۔ انہیں مدد کے لئے نہیں پکارا ۔ اور ان کا واسطہ دے کر دعاء نہیں مانگی بلکہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بجائے آپؐ کے چچا حضرت عباسؓ سے درخواست کی کہ وہ اللہ تعالےٰ سے دعاء کریں ۔ استسقاء کی دُعاء اور نماز مجمع عام میں ہوتی ہے تو گویا صحابہ کرامؓ کا عام فعل یہی قرار پایا جب رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپؐ تک سے دُعاء کرانی جائز نہیں تو

آپؐ سے زیادہ صاحبِ فضیلت کون ہے کہ جس سے اب دُعاء کرائی جائے؟

صحابہ کرامؓ ہی کے دَور کا ایک اَور واقعہ ہے، جسے ملّا علی قاری حنفیؒ نے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں دسویں صدی ہجری کے شافعی فقیہ ابن حجر مکی ہیتمی کے حوالے سے نقل کیا ہے۔

"قَالَ ابْنُ حَجَرٍ وَاسْتَسْقَى مُعَاوِيَةُ بِيَزِيدَ بْنِ الْاَسْوَدِ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْتَسْقِيْ بِخَيْرِنَا وَاَفْضَلِنَا اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْتَسْقِيْ بِيَزِيدَ بْنِ الْاَسْوَدِ يَا يَزِيدُ اِرْفَعْ يَدَيْكَ اِلَى اللّٰهِ فَرَفَعَ يَدَيْهِ وَرَفَعَ النَّاسُ اَيْدِيَهُمْ فَثَارَتْ سَحَابَةٌ مِّنَ الْمَغْرِبِ كَاَنَّهَا تُرْسٌ وَهَبَّتْ رِيْحٌ فَسُقُوْا حَتّٰى كَادَ النَّاسُ لَا يَبْلُغُوْنَ مَنَازِلَهُمْ (مرقاۃ ج ۲ ص ۲۸۸۔ طبع قدیم) یعنی ابن حجر (مکی) کہتے ہیں کہ حضرت معاویہؓ نے حضرت یزید بن اسودؓ کو ساتھ لے کر بارش کے لئے دعاء کرائی اور فرمایا "اے اللہ! ہم میں جو بہتر اور افضل ہے۔ اس کے ذریعے سے ہم تیری بارگاہ میں بارش کی دُعاء کرتے ہیں۔ اے اللہ! ہم یزید بن اسودؓ کو ساتھ لائے ہیں اور استسقاء کر رہے ہیں" (پھر حضرت معاویہؓ نے کہا) اے یزید! بارگاہِ الٰہی میں دُعاء کے لئے ہاتھ اٹھائیے" انہوں نے دُعاء کے لئے ہاتھ اُٹھائے۔ اور لوگوں نے بھی ہاتھ اُٹھائے۔ پس مغرب کی طرف سے ڈھال کی طرح ایک گھٹا اُٹھی اور ہوا چلی اور ان کے لئے بارش کا اس طرح نزول ہوا کہ قریب تھا کہ لوگ اپنے گھروں کو نہ پہنچ سکیں۔"

اس واقعے سے بھی معلوم ہوا کہ صحابہ کرامؓ کا عمل زندہ سے دعاء کرانے کا تو تھا لیکن مُردہ سے دعاء کرانے کا ان کے ہاں کوئی تصوّر نہ تھا۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ محدث

دہلویؒ حضرت عباسؓ سے بارش کے لئے دُعا کرانے کی حدیث ذکر کر کے فرماتے ہیں۔

"ازیں جا ثابت شد کہ توسّل بہ گزشتگان و غائبان جائز نہ داشتند وگرنہ عباسؓ از سرورِ عالم بہتر نہ بود چرا نہ گفت کہ توسّل می کردیم بہ پیغمبر تو و الحال توسّل می کنیم بہ رُوحِ پیغمبر تو" (البلاغ المبین ص ۱۷ - طبع لاہور)

یعنی "اس واقعے سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرامؓ گزرے ہوئے (فوت شدگان) اور غائب لوگوں کا وسیلہ پکڑنا جائز نہیں سمجھتے تھے ورنہ حضرت عباسؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہتر نہ تھے۔ (اگر وفات شدہ سے دُعا کرانا جائز ہوتا) تو انہوں نے کیوں نہ کہا کہ یا اللہ! پہلے ہم تیرے نبی کے ساتھ وسیلہ پکڑتے تھے اب ہم تیرے نبی کی روح کے ساتھ وسیلہ پکڑتے ہیں"

یہ تو واقعات ہوئے عہدِ صحابہؓ و تابعین کے، اب خاص امام ابوحنیفہؒ کا ایک واقعہ ملاحظہ ہو جس کو شاہ محمد اسحاق دہلویؒ کے ایک شاگرد رشید مولانا محمد بشیر الدین قنوجی (متوفی ۱۲۹۶ھ) نے فقہ کی ایک کتاب "غرائب فی تحقیق المذاہب" کے حوالے سے لکھا ہے۔ "رَأَى الْإِمَامُ اَبُوْحَنِيْفَةَ مَنْ يَّأْتِي الْقُبُوْرَ لِاَهْلِ الصَّلَاحِ فَيُسَلِّمُ وَيُخَاطِبُ وَيَتَكَلَّمُ وَيَقُوْلُ يَا اَهْلَ الْقُبُوْرِ هَلْ لَكُمْ مِنْ خَبَرٍ وَهَلْ عِنْدَكُمْ مِّنْ اَثَرٍ اِنِّيْ اَتَيْتُكُمْ مِنْ شُهُوْرٍ وَلَيْسَ سُؤَالِيْ اِلَّا الدُّعَاءُ فَهَلْ دَرَيْتُمْ اَمْ غَفَلْتُمْ فَسَمِعَ اَبُوْحَنِيْفَةَ بِقَوْلٍ يُخَاطِبُهُ بِهِمْ فَقَالَ هَلْ اَجَابُوْا لَكَ؟ قَالَ لَا فَقَالَ لَهُ سُحْقًا لَّكَ وَتَرِبَتْ يَدَاكَ كَيْفَ تُكَلِّمُ اَجْسَادًا لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ جَوَابًا وَلَا يَمْلِكُوْنَ شَيْئًا وَلَا يَسْمَعُوْنَ صَوْتًا وَقَرَأَ وَمَا اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ"

(تفہیم المسائلؒ مولانا محمد بشیر الدین قنوجی" امام ابوحنیفہؒ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ کچھ

ؔ محمد اسحاق دہلویؒ کے رد میں ایک کتاب تصحیح المسائل نامی مولوی فضل رسول بدایونی (باقی حاشیہ صفحہ ۱۵ پر)

لوگوں کی قبروں کے پاس آکر سلام کر کے ان سے کہہ رہا تھا" اے قبر والو! کیا تمہیں کچھ خبر بھی ہے؟ اور کیا تمہارے پاس کچھ اثر بھی ہے۔ میں تمہارے پاس کئی مہینوں سے آ رہا ہوں۔ اور تمہیں پکار رہا ہوں۔ تم سے میرا سوال بجز دعاء کرانے کے اور کچھ نہیں۔ تم میرے حال کو جانتے ہو یا میرے حال سے بے خبر ہو؟ امام ابوحنیفہ رح نے اس کی یہ بات سن کر اس سے پوچھا۔ کیا (ان قبر والوں نے) تیری بات کا جواب دیا۔؟ وہ کہنے لگا "نہیں" تو آپ نے فرمایا۔ "تجھ پر پھٹکار ہو، تیرے ہاتھ خاک آلودہ ہوں، تو ایسے (مردہ) جسموں سے بات کرتا ہے جو نہ جواب دینے کی طاقت رکھتے ہوں۔ نہ کسی چیز کا اختیار رکھتے ہیں اور نہ کسی کی آواز (فریاد) سن سکتے ہیں۔" پھر امام صاحب نے قرآن کی یہ آیت پڑھی۔ وَمَا اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ (سورۃ فاطر) "اے پیغمبر! تو ان کو نہیں سنا سکتا جو قبروں میں ہیں۔"

علامہ آلوسی حنفی بغدادی اپنی تفسیر روح المعانی میں لکھتے ہیں۔

"اِنَّ الْاِسْتِغَاثَۃَ بِمَخْلُوْقٍ وَجَعْلَہٗ وَسِیْلَۃً بِمَعْنٰی طَلَبِ الدُّعَاءِ مِنْہُ لَا شَکَّ فِیْ جَوَازِہٖ اِنْ کَانَ الْمَطْلُوْبُ مِنْہُ حَیًّا۔۔۔۔ وَاَمَّا اِذَا کَانَ الْمَطْلُوْبُ مِنْہُ مَیِّتًا اَوْ غَائِبًا فَلَا یَسْتَرِیْبُ عَالِمٌ اَنَّہٗ غَیْرُ جَائِزٍ وَاَنَّہٗ مِنَ الْبِدَعِ الَّتِیْ لَمْ یَفْعَلْہَا اَحَدٌ مِّنَ السَّلَفِ (ج ۲ ص ۲۹ طبع قدیم ۱۳۰۱ھ) "کسی شخص سے درخواست کرنا اور اس کو اس معنی میں وسیلہ بنانا کہ وہ اس کے حق میں دعاء کرے اس کے جواز میں کوئی شک

بقیہ حاشیہ ص ۱

نے عکسی تمثیل کا جواب مولانا محمد بشیر الدین قنوجی رح نے تفہیم المسائل سے دیا تھا خوب مدلل کتاب ہے پہلے ۱۲۸۲ھ میں پہلی دفعہ مطبع الرحمانی شاہجہان آباد میں طبع ہوئی پھر دوسری دفعہ محمدی پریس لاہور میں چھپی تاریخ طبع معلوم نہیں۔

نہیں بشرطیکہ جس سے درخواست کی جائے وہ زندہ ہو..... لیکن اگر وہ شخص جس سے درخواست کی جائے مُردہ ہو یا غائب، تو ایسے استغاثے کے ناجائز ہونے میں کسی عالم کو شک نہیں اور مُردوں سے استغاثہ اُن بدعات میں سے ہے جن کو سلف میں سے کسی نے نہیں کیا۔"

اِس سے معلوم ہوا کہ صحابہؓ و تابعینؒ، ائمہ کرامؒ اور تمام اسلاف صالحینؒ زندہ نیک لوگوں سے تو دعا کرانے کے قائل تھے لیکن کسی مُردہ کو انہوں نے مدد کے لئے نہیں پکارا۔ ان سے استغاثہ نہیں کیا، حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک سے استغاثہ نہیں کیا۔ اب آپ کے بعد اور کونسی ہستی ایسی ہے جو آپؐ سے زیادہ فضیلت رکھتی ہو کہ اُسے مدد کے لئے پکارا جائے اور اس سے استعانت کی جائے؟ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ!

صنم پرست مُشرکین بھی فاعلِ حقیقی اللہ ہی کو مانتے تھے

یہ کہنا کہ "اللہ تعالیٰ کو فاعلِ حقیقی مانتے ہوئے کسی کو مدد کے لئے پکارا جائے، تو یہ شرک نہیں۔"

تو عرض ہے کہ اس صورت میں ماننا پڑے گا کہ دنیا میں شرک کا وجود کبھی رہا ہی نہیں ہے اور قرآن کریم میں (نعوذ باللہ) اللہ تعالیٰ نے خواہ مخواہ لوگوں کو مشرک قرار دیا ہے۔

قرآن مجید میں بڑی وضاحت کے ساتھ بار بار یہ بات بیان کی گئی ہے کہ عرب کے مشرکین جو دعوتِ توحید کے مخاطبِ اوّل تھے، وہ یہ مانتے تھے کہ زمین و آسمان اور ساری کائنات کا خالق و مالک اور پروردگار صرف اللہ ہے اور وہی واحد ہستی ہے جس کے ہاتھ میں کائنات کی تدبیر اور تصرّف ہے لیکن اس کے باوجود قرآن نے ان

عربوں کو مشرک کہا۔ سوال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ماننے کے باوجود وہ مشرک کیوں قرار پائے؟ یہی وہ نکتہ ہے جس پر غور کرنے سے شرک کی حقیقت واضح ہوتی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ مشرکین عرب نے خدا کے سوا جن ہستیوں کو معبود اور دیوتا مان رکھا تھا۔ وہ ان کو خدا تعالیٰ کی مخلوق، اس کا مملوک اور بندہ ہی مانتے تھے لیکن اس کے ساتھ ان کا دعویٰ یہ تھا کہ چونکہ یہ لوگ اپنے اپنے وقتوں میں اللہ کے نیک بندے اور اس کے چہیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں انہیں خاص مقام حاصل تھا۔ اس بنا پر وہ بھی کچھ اختیارات اپنے پاس رکھتے ہیں۔ ہم ان کی عبادت (پوجا) اس لئے نہیں کرتے کہ یہ خدائی اختیارات کے حامل ہیں، ہم تو ان کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرتے ہیں۔ اور بطور وسیلہ اور سفارش ان کو پکارتے ہیں اور ان سے استغاثہ کرتے ہیں۔ خود قرآن کریم میں مشرکین کے یہ اقوال نقل کئے گئے ہیں۔ سورۂ یونس میں فرمایا: وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ (آیت ۱۸) "اور (وہ مشرکین عرب) اللہ کے سوا ایسی چیزوں کی عبادت کرتے ہیں، جو ان کو نقصان پہنچا سکیں اور نہ نفع۔ اور کہتے (یہ) ہیں کہ یہ تو ہمارے سفارشی ہیں اللہ کے پاس۔"

دوسرے مقام پر فرمایا: اَلَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى (الزمر-۲) "جن لوگوں نے اللہ کے سوا اپنے حمایتی پکڑ رکھے ہیں (ان کا کہنا ہے) کہ ہم تو ان کی صرف اس واسطے عبادت کرتے ہیں کہ ہم کو یہ اللہ کے قریب پہنچا دیں"

اور صحیح احادیث میں آتا ہے کہ مشرکین عرب حج میں یہ تلبیہ پڑھا کرتے تھے:۔ لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ اِلَّا شَرِيْكًا هُوَ لَكَ تَمْلِكُهٗ وَمَا مَلَكَ "(صحیح مسلم۔ کتاب الحج۔ باب التلبیۃ وصفتہا ووقتہا) "خداوندا! ہم تیرے حضور حاضر ہیں۔

تیرا کوئی شریک نہیں، سوائے اس شریک کے جو تیرا ہی ہے۔ تو اس کا مالک ہے۔ جن پر اس کی ملکیت اور حکومت ہے، ان کا مالک بھی تو ہی ہے۔"

اور صحیح بخاری میں حضرت ابن عباسؓ کی صراحت موجود ہے کہ قوم نوحؑ کے وہ پانچ بت ہیں جن کا ذکر قرآن مجید (سورۂ جن) میں کیا گیا ہے جن کی وہ عبادت و پرستش کرتے تھے۔ اللہ کے نیک بندوں کے بت تھے۔ اَسْمَاءُ رِجَالٍ صَالِحِیْنَ مِنْ قَوْمِ نُوْحٍ فَلَمَّا هَلَكُوْا اَوْحَى الشَّيْطَانُ اِلٰى قَوْمِهِمْ اَنْ اَنْصِبُوْا اِلٰى مَجَالِسِهِمُ الَّتِیْ كَانُوْا يَجْلِسُوْنَ اَنْصَابًا وَسَمُّوْهَا بِاَسْمَائِهِمْ فَفَعَلُوْا فَلَمْ تُعْبَدْ حَتّٰى اِذَا هَلَكَ اُولٰٓئِكَ وَتَنَسَّخَ الْعِلْمُ عُبِدَتْ (صحیح بخاری، ج ۲ ص ۷۳۲ تفسیر سورۂ جن") یعنی "قوم نوحؑ کے پانچ بت دراصل قوم نوحؑ کے نیک آدمیوں کے نام تھے، جب وہ مرگئے تو شیطان نے ان کے ارادتمندوں کو کہا کر (ان کی یاد تازہ رکھنے کے لئے) ان کے مجسمے بنا کر اپنی بیٹھکوں میں رکھ لو۔ انہوں انہوں نے ایسا ہی کیا لیکن (یہ مجسمے بنانے والے) فوت ہو گئے تو ان کی بعد کی نسل نے ان کی تصویروں اور مجسموں کی عبادت شروع کر دی۔"

بہرحال قرآن و حدیث اور صحابہؓ کی تصریحات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مشرکین عرب کا شرک بھی یہی تھا کہ انہوں نے اللہ کے نیک بندوں کو ان کی وفات کے بعد اپنا حاجت روا اور مشکل کشا سمجھا، ان کے نام کی نذر نیازیں دیں اور ان کے آستانوں پر سالانہ میلوں ٹھیلوں کا اہتمام کیا۔ ورنہ فاعل حقیقی وہ بھی اللہ ہی کو مانتے تھے اور جب زیادہ مشکلات میں گھر جاتے تو پھر وہ ان بتوں کو چھوڑ کر فاعل حقیقی (اللہ تعالیٰ) ہی کی طرف رجوع کرتے تھے، جس کی شہادت خود قرآن مجید نے دی ہے۔ مثلاً سمندر میں جہاں کوئی ظاہری مادی سہارا انہیں نظر نہ آتا تو وہاں صرف اللہ رب العالمین کو پکارتے۔ اور اپنے خود ساختہ بزرگوں اور معبودوں کو چھوڑ دیتے۔" فَاِذَا رَكِبُوْا فِی الْفُلْكِ

دَعَوُا اللّٰہَ مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْنَ (العنکبوت - ۶۵) (جب یہ مشرکین دریائی سفر میں) کشتی پر سوار ہوتے ہیں تو (خطرے کے وقت) خالص اعتقاد کرتے ہوئے اللہ ہی کو پکارتے ہیں"۔ دوسری جگہ فرمایا: "وَاِذَا مَسَّکُمُ الضُّرُّ فِی الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُوْنَ اِلَّآ اِیَّاہُ (بنی اسرائیل - ۶۷) "اے مشرکو! جب تم دریا میں (طوفان وغیرہ کی) مصیبت میں گھر جاتے ہو تو تمہارے وہ دیوتا جن کو تم پکارا کرتے ہو، غائب اور گم ہو جاتے ہیں۔ اس وقت تم بس اللہ تعالیٰ ہی کو پکارتے ہو"۔

قبر پرست مسلمانوں کا شرک

بالکل یہی شرک ان مسلمانوں میں پایا جاتا ہے جو قبر پرست ہیں۔ اور جن کی وکالت مدیر" رضوان" نے فرمائی ہے۔ ذرا بتلایا جائے کہ مشرکین عرب اور موجودہ قبر پرست مسلمانوں کے شرک میں کیا فرق ہے؟ اگر اب بھی "مدیر رضوان" کو شک ہو تو ان اکابر علماء کی تصریحات ملاحظہ فرمالیں جن کو وہ بھی قابلِ اعتماد گردانتے ہیں، ان حنفی علماء اور بزرگوں نے بھی وضاحت کی ہے کہ مسلمان جاہل عوام قبروں کے ساتھ جو کچھ کرتے ہیں وہ صریحاً مشرکانہ اعمال و اعتقاد ہیں۔ چنانچہ حضرت مجدد الف ثانی لکھتے ہیں:-

"و حیوانات را کہ نذر مشائخ می کنند و بر سر قبر ہائے ایشاں رفتہ آں حیوانات ذبح می نمایند در روایات فقہیہ ایں عمل را نیز داخل شرک ساختہ اند و دریں باب مبالغہ نمودہ ایں ذبح را از جنس ذبائح جن انگاشتہ اند کہ ممنوع شرعی است و داخل دائرۂ شرک"۔ (مکتوب امام ربانی۔ دفتر سوم، مکتوب ۴۱)

"اور یہ لوگ بزرگوں کے لئے جو حیوانات (مرغوں، بکروں وغیرہ) کی نذر مانتے ہیں اور پھر ان کی قبروں پر لے جا کر ان کو ذبح کرتے ہیں تو فقہی روایات میں اس فعل کو بھی شرک میں داخل کیا گیا ہے اور فقہاء نے اس باب میں پوری سختی سے کام لیا ہے۔

اور ان قربانیوں کو جنوں (دیوتاؤں اور دیویوں) کی قربانی کے قبیل سے ٹھہرایا ہے جو شرعاً ممنوع اور داخلِ شرک ہیں "

اسی مکتوب میں آگے چل کر وہ اُن جاہل مسلمان عورتوں کے بارے میں لکھتے ہیں،

جو پیروں اور بیبیوں کو راضی کرنے کی نیت سے ان کے نام کے روزے رکھتی ہیں اور ان روزوں کے توسّل سے ان پیروں اور بی بیوں سے اپنی حاجتیں طلب کرتی ہیں اور سمجھتی ہیں کہ وہ ہماری حاجتیں پوری کریں گے۔ ان کے بارے میں حضرت مجدّدؒ فرماتے ہیں" ایں شرکت درعبادت است کہ" ان جاہل عورتوں کا یہ عمل شرک فی العبادت ہے۔"

شاہ ولی اللہ محدّث دہلویؒ فرماتے ہیں۔

"اگر در تصویر حال مشرکین واعمال ایشاں توقف داری احوالِ محترفانِ اہلِ زمانہ خصوصاً آناں کہ بہ اطراف دارالاسلام سکونت دارند ملاحظہ کُن کہ ..... بہ قبور و آستانہا می روند و انواعِ شرک بہ عمل می آرند" (الفوز الکبیر فی اصول التفسیر ص ۱۱) " اگر عرب کے مشرکین کے احوال و اعمال کا صحیح تصوّر تمہارے لئے مشکل ہو اور اس میں کچھ توقف ہو تو اپنے زمانے کے پیشہ ور عوام، خصوصاً وہ جو دارالاسلام کے اطراف میں رہتے ہیں ان کا حال دیکھ لو۔ وہ قبروں، آستانوں اور درگاہوں پر جاتے ہیں اور طرح طرح کے شرک کا ارتکاب کرتے ہیں "

اور "حجۃ اللہ البالغہ" میں شرک کی مختلف شکلیں بیان کر کے لکھتے ہیں:۔

" وَهٰذَا مَرَضُ جُمْهُوْرِ الْيَهُوْدِ وَالنَّصَارٰى وَالْمُشْرِكِيْنَ وَبَعْضِ الْغُلَاةِ مِنْ مُنَافِقِيْ دِيْنِ مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وسلم يَوْمَنَا هٰذَا" (باب فی حقیقۃ الشرک ص ۶۱) "اور شرک کی یہ وہ بیماری ہے جس میں یہود، عیسائی اور مشرکین بالعموم اور ہمارے اس زمانے میں مسلمانوں میں سے بعض غالی منافقین مبتلا ہیں "

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی سورۂ مزمل کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ یہ شان صرف اللہ تبارک وتعالیٰ کی ہے کہ جو اس کو جب اور جہاں سے یاد کرے، اللہ تعالیٰ کو اس کا علم ہوجائے اور یہ شان بھی اسی کی ہے کہ وہ اس ذاکر بندے کی قوت مدرکہ میں آجائے جس کو شریعت کی خاص زبان میں دنو، تدلی، اور قرب ونزول کہا جاتا ہے۔ اس کے بعد فرماتے ہیں:۔

"ایں ہر دو صفت خاصہ ذات پاک او تعالیٰ است ہیچ مخلوق را حاصل نیست، آرے بعض کفرہ در حق بعضے از معبودان خود و بعضے پیر پرستان از زمرۂ مسلمین در حق پیران خود امر اول را ثابت می کنند و در وقت احتیاج بہمیں اعتقاد بآنہا استعانت می نمایند" (تفسیر عزیزی پارہ تبارك الذی۔ سورہ مزمل ص۱۸۱)

"اور یہ دونوں صفتیں اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کا خاصہ ہیں، یہ کسی مخلوق کو حاصل نہیں ہیں، ہاں بعضے کفار اپنے بعض معبودوں اور دیوتاؤں کے بارے میں اور مسلمانوں میں سے بعض پیر پرست اپنے پیروں کے بارے میں ان میں سے پہلی چیز ثابت کرتے ہیں اور اپنی حاجتوں کے وقت اسی اعتقاد کی بناء پر ان سے مدد چاہتے ہیں۔ اور مدد کے لئے ان کو پکارتے ہیں"

اپنے فتاویٰ میں ایک سوال کے جواب میں ہندوستان کے ہندوؤں کے شرک کا حال یوں بیان کرکے آخر میں فرماتے ہیں۔

"ہمیں است حال فرقہ ہائے بسیار از مسلمین مثل تعزیہ سازان ومجاوران قبور وجلالیان ومداریان" (فتاویٰ عزیزی۔ ج۱، ص۱۲۴، طبع مجتبائی دہلی)

"یہی حال ہے بہت سے مسلمان فرقوں کا مثلاً تعزیہ بنانے والوں، قبروں کے مجاوروں اور جلالیوں مداریوں کا"

اور اسی فتاویٰ میں ایک اور مقام پر لکھتے ہیں:۔

"دربابِ استعانت بہ ارواحِ طیبّہ دریں اُمّت افراطِ بسیار بہ وقوع آمدہ آنچہ جُہّال وعوام ایں ہامی کنندو ایشاں را در ہر عمل مستقل دانستہ اند بلاشبہ شرکِ جلی است" (حوالۂ مذکور ص ۱۲۱)

"ارواحِ طیبّہ (نیک لوگوں کی رُوحوں) سے استعانت (مدد طلب کرنے) کے معاملے میں اس اُمّت کے جُہّال وعوام جو کچھ کرتے ہیں اور ہر کام میں بزرگانِ دین کو مستقل مختار سمجھتے ہیں۔ یہ بلاشبہ شرکِ جلی ہے" (خلاصہ)

اسی طرح اور بھی کئی بزرگوں نے اس کی صراحتیں کی ہیں کہ قبر پرست مسلمانوں کے اعمال وعقائد صریحًا مشرکانہ ہیں۔

فقہ حنفی کی صراحت

یہ بات بھی دلچسپی سے خالی نہیں کہ تمام قبر پرست اپنے آپ کو فقہ حنفی کا پیروکار کہتے ہیں۔ حالانکہ فقہ حنفی میں بھی ان اُمور کو، جن کا ارتکاب قبر پرست کرتے ہیں۔ حرام و باطل اور کفر و شرک بتلایا گیا ہے چنانچہ فقہ حنفی کی مشہور کتاب "دُرِّ مختار" میں ہے۔

"وَاعْلَمْ اَنَّ النَّذْرَ الَّذِیْ یَقَعُ لِلْاَمْوَاتِ مِنْ اَکْثَرِ الْعَوَامِّ وَمَا یُؤْخَذُ مِنَ الدَّرَاھِمِ وَالشَّمْعِ وَالزَّیْتِ وَنَحْوِھَا اِلٰی ضَرَائِحِ الْاَوْلِیَاءِ الْکِرَامِ تَقَرُّبًا اِلَیْھِمْ فَھُوَ بِالْاِجْمَاعِ بَاطِلٌ وَحَرَامٌ" (آخر کتاب الصوم)

"معلوم ہونا چاہیئے کہ اکثر عوام، مردوں کے نام پر جو نذریں نیازیں دیتے ہیں۔ چڑھاوے چڑھاتے ہیں، اولیاء کرام کا تقرب حاصل کرنے کے لئے مالی نذرانے پیش کرتے ہیں اور ان کی قبروں پر چراغ اور تیل جلاتے ہیں وغیرہ، یہ سب چیزیں بالاجماع باطل اور حرام ہیں"

دُرِّ مختار کی مشہور شرح الردّ المحتار (المعروف فتاویٰ شامی) میں اس کی شرح

یوں کی گئی ہے۔

قَوْلُہٗ بَاطِلٌ وَحَرَامٌ لِوُجُوْہٍ مِنْھَا اَنَّہٗ نَذْرٌ لِمَخْلُوْقٍ وَالنَّذْرُ لِلْمَخْلُوْقِ لَا یَجُوْزُ لِاَنَّہٗ عِبَادَۃٌ وَالْعِبَادَۃُ لَا تَکُوْنُ لِمَخْلُوْقٍ وَمِنْھَا اَنَّ الْمَنْذُوْرَ لَہٗ مَیِّتٌ وَالْمَیِّتُ لَا یَمْلِكُ وَمِنْھَا اَنَّہٗ ظَنَّ اَنَّ الْمَیِّتَ یَتَصَرَّفُ فِی الْاُمُوْرِ دُوْنَ اللّٰہِ تَعَالٰی وَاِعْتِقَادُہٗ ذَالِكَ کُفْرٌ

(ردّ المحتار جلد دوم ص۱۳۹ طبع مصر ۱۹۶۶ء) یعنی "اس نذر لغیر اللہ کے باطل اور حرام ہونے کی کئی وجوہ ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ:۔

- یہ قبروں کے چڑھاوے وغیرہ مخلوق کے نام کی نذریں ہیں اور مخلوق کے نام کی نذر جائز ہی نہیں اس لیے کہ (نذر بھی) عبادت ہے اور عبادت کسی مخلوق کی جائز نہیں۔
- اور ایک وجہ یہ ہے کہ مَنْذُوْرٌ لَہٗ (جس کے نام کی نذر دی جاتی ہے) مُردہ ہے اور مُردہ کسی چیز کا اختیار نہیں رکھتا۔
- اور ایک وجہ یہ ہے کہ نذر دینے والا شخص مُردوں کے متعلق یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ وہ اللہ کے سوا کائنات میں تصرّف کرنے کا اختیار رکھتے ہیں حالانکہ مُردوں کے متعلق ایسا عقیدہ رکھنا بھی کفر ہے"

فتاویٰ عالمگیری کا فتویٰ

اسی طرح فتاوٰی عالمگیری جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اسے پانچ سو حنفی علماء نے مرتب کیا ہے، اس میں لکھا ہے کہ:۔

"وَالنَّذْرُ الَّذِیْ یَقَعُ مِنْ اَکْثَرِ الْعَوَامِّ بِاَنْ یَّاْتِیَ اِلٰی قَبْرِ بَعْضِ الصُّلَحَاءِ وَیَرْفَعُ سِتْرَہٗ قَائِلًا یَا سَیِّدِیْ فُلَانُ اِنْ قَضَیْتَ حَاجَتِیْ فَلَكَ مِنِّیْ مِنَ الذَّھَبِ مَثَلًا کَذَا بَاطِلٌ اِجْمَاعًا:

"اکثر عوام میں جو یہ رواج ہے کہ وہ کسی نیک آدمی کی قبر پہ جا کر نذر مانتے ہیں کہ

اے فلاں بزرگ، اگر میری حاجت پُوری ہوگئی تو اتنا سونا (یا کوئی اور چیز) تمہاری قبر پر چڑھاؤں گا۔ یہ نذر بالاجماع باطل ہے"

پھر لکھا ہے:۔

" فَمَا يُؤْخَذُ مِنَ الدَّرَاهِمِ وَنَحْوِهَا وَيُنْقَلُ إِلَى ضَرَائِحِ الْأَوْلِيَاءِ الْكِرَامِ تَقَرُّبًا إِلَيْهِمْ فَحَرَامٌ بِالْإِجْمَاعِ" (الفتاویٰ الہندیہ المعروف فتاویٰ عالمگیری جلد اول ص ۲۱۶ باب الاعتکاف طبع مصر)

"پس جو دینار و درہم یا اور چیزیں اولیاء کرام کی قبروں پر ان کا قرب حاصل کرنے (ان کو راضی کرنے) کے لیے لی جاتی ہیں وہ بالاجماع حرام ہیں"

مُردوں سے استغاثہ و استعانت کرنے والے کا یہ عقیدہ ہوتا ہے کہ وہ میرے حال سے واقف ہے۔ اور وہ عالم الغیب ہے۔ کیونکہ اس عقیدے کے بغیر ہزاروں میل کے فاصلے سے کسی مُردہ بزرگ کو پکارنے کا کوئی مطلب ہی نہیں رہتا۔ اور اللہ کے سوا کسی اور کو عالم الغیب سمجھنے والے کی بھی فقہ حنفی میں تکفیر کی گئی ہے۔ چنانچہ ملّا علی قاری حنفی شرح فقہ اکبر میں لکھتے ہیں۔

ثُمَّ اعْلَمْ أَنَّ الْأَنْبِيَاءَ لَمْ يَعْلَمُوا الْمُغَيَّبَاتِ مِنَ الْأَشْيَاءِ إِلَّا مَا عَلَّمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى أَحْيَانًا وَذَكَرَ الْحَنَفِيَّةُ تَصْرِيحًا بِالتَّكْفِيرِ بِاعْتِقَادِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْلَمُ الْغَيْبَ لِمُعَارَضَةِ قَوْلِهِ تَعَالٰى قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللّٰهُ كَذَا فِي الْمُسَايَرَةِ (شرح فقہ اکبر ص ۱۸۲، طبع مجتبائی)

یعنی "معلوم ہونا چاہیئے کہ انبیاء علیہم السّلام غیب کی صرف انہی باتوں کو جانتے ہیں جو اللہ تعالیٰ وقتاً فوقتاً ان کو بتلا دے اور فقہائے حنفیہ

نے اس عقیدے کو کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب تھا" صراحۃً کفر قرار دیا ہے کیونکہ یہ عقیدہ اللہ تعالیٰ کے فرمان قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ کے معارض (مخالف) ہے۔ یہی بات (شیخ ابن الہمام نے) مسایرہ میں ذکر کی ہے"
فقہ حنفی کی ایک اور مشہور کتاب فتاویٰ قاضی خاں میں ہے۔
" رَجُلٌ تَزَوَّجَ اِمْرَاَةً بِغَيْرِ شُهُوْدٍ فَقَالَ الرَّجُلُ وَالْمَرْاَةُ "خدئے را و پیغامبر را گواہ کردیم" قَالُوْا يَكُوْنُ كُفْرًا لِاَنَّهٗ اعْتَقَدَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْلَمُ الْغَيْبَ وَ هُوَ مَا كَانَ يَعْلَمُ الْغَيْبَ حِيْنَ كَانَ فِي الْاَحْيَاءِ فَكَيْفَ بَعْدَ الْمَوْتِ ۔" (فتاویٰ قاضی خاں برحاشیہ فتاویٰ عالمگیری، ج ۳ ص ۵۷۶ طبع بولاق ۱۳۱۰ھ و فتاویٰ بزازیہ ص ۳۲۵ برحاشیہ فتاویٰ عالمگیری ص ۳۲۵ ج ۶)
"کسی آدمی نے کسی عورت سے بغیر گواہوں کے نکاح کیا، البتہ مرد عورت نے یہ کہا کہ ہم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو گواہ بناتے ہیں، فقہائے (حنفیہ) کہتے ہیں کہ ایسا کہنا کفر ہے۔ اس لئے کہ اس کا اعتقاد یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غیب جانتے ہیں۔ حالانکہ آپؐ اپنی زندگی میں عالم الغیب نہ تھے۔ دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد آپؐ عالم الغیب کیوں کر ہو سکتے ہیں؟"
اور فتاویٰ بزازیہ میں ہے۔
وَ قَالَ عُلَمَاءُنَا مَنْ قَالَ اِنَّ اَرْوَاحَ الْمَشَائِخِ حَاضِرَةٌ تَعْلَمُ يُكَفَّرُ (بحوالہ فتاویٰ مولانا عبدالحی ج ۲ - ص ۴۴ بحوالہ

فتاویٰ بزازیہ ص ۳۳۶ برحاشیہ فتاویٰ عالمگیری ج ۶)

یعنی "ہمارے (حنفی) فقہاء نے کہا ہے کہ جو شخص یہ اعتقاد رکھے کہ بزرگوں کی روحیں حاضر ہوتی ہیں اور غیب جانتی ہیں وہ کافر ہے "

اسی طرح فقہ حنفی میں قبروں کا طواف، قبروں کو چومنا، ان کی تعظیم کے لئے جھکنا اور وہاں دست بستہ قیام وغیرہ یہ تمام چیزیں ناجائز اور حرام لکھی ہیں اور قبروں پر سجدے کو کفر تک سے تعبیر کیا گیا ہے۔

قبروں کے پجاری بالعموم اور ان کے وکیل وحمایتی بالخصوص اس آئینے میں اپنا سراپا دیکھ کر فیصلہ کرلیں کہ خود فقہ حنفی ان کی بابت کیا فیصلہ صادر کرتی ہے۔ ہم یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ فرمودات نقل نہیں کر رہے ہیں جن میں یہود و نصاریٰ کو اسی لئے ملعون قرار دیا گیا ہے کہ انہوں نے اپنے نیک لوگوں اور نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا (کہ مضمون خاصا طویل ہوگیا ہے) اس لئے ہم بات کو سمیٹتے ہیں۔

یا شیخ عبدالقادر شیئاً للہ کیوں ناجائز ہے؟

اس تفصیل سے واضح ہے کہ "یا علی مدد" "اَغِثْنِیْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ" اور "یا شیخ عبدالقادر شیئاً للہ" وغیرہ جیسے الفاظ اور وظیفوں سے فوت شدگان سے استغاثہ (مدد طلب کرنا) حرام، ناجائز اور مشرکانہ فعل ہے۔ کیونکہ ایسا کرنے والے کا عقیدہ یہی ہوتا ہے کہ جس کو وہ مدد کے لئے پکار رہا ہے۔ وہ اس کی فریاد سننے پر قادر ہے وہ عالم الغیب ہے۔ وہ کائنات میں تصرف کا اختیار رکھتا ہے حالانکہ یہ تمام صفات اللہ تعالےٰ کی ہیں جو صرف اُس کے ساتھ خاص ہیں۔ اسی لئے فقہ حنفی میں اس امر کو شرک و کفر سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور حنفی بزرگوں نے اسی بناء پر "یا شیخ عبدالقادر شیئاً للہ" کو ناجائز اور کفر و شرک لکھا ہے۔ چنانچہ قاضی ثناء اللہ حنفی پانی پتی فرماتے ہیں:۔

"آنچہ جہاں می گویند یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً للہ، یا خواجہ شمس الدین پانی پتی شیئاً للہ جائز نیست، شرک وکفر است" (ارشاد الطالبین ص ۱۸)

اور مولانا عبدالحی حنفی لکھنوی لکھتے ہیں کہ اس وظیفے سے احتراز لازم وواجب ہے۔ بعض فقہاء نے اس پر کفر تک کا اطلاق کیا ہے نیز اس وظیفہ کے پڑھنے والے کے دل میں یہ عقیدہ ہوتا ہے کہ بزرگ عالم الغیب اور صاحب اختیار ہے اور یہ عقیدہ شرک ہے۔ ان کی اصل عبارت یہ ہے:۔

"ازیں چنیں وظیفہ احتراز لازم وواجب۔ اولاً ازیں جہت کہ ایں وظیفہ متضمن شیئاً للہ است وبعض فقہاء از ما ہچو لفظ حکم کفر کردہ اند چنانکہ در در مختار می نویسند کذا قول شیئ للہ قیل یکفر۔ انتہی۔۔۔۔ ثانیاً ازیں جہت کہ ایں وظیفہ متضمن است ندائے اموات را از امکنہ بعیدہ وشرعاً ثابت نیست کہ اولیا را قدرتے حاصل است کہ از امکنہ بعیدہ ندا را بشنوند۔ البتہ سماع اموات سلام زائر قبر را ثابت است بلکہ اعتقاد ایں کہ کسے غیر حق سبحانہ حاضر وناظر وعالم خفی وجلی در ہر وقت وہر آن است اعتقاد شرک است۔ در فتاویٰ بزازیہ می نویسند۔ تزوج بلا شھود وقال خدائے ورسول خدا وفرشتگان را گواہ کردہ ام یکفر لانہ اعتقد ان الرسول والملک یعلمان الغیب وقال علماؤنا من قال ان ارواح المشائخ حاضرۃ تعلم یکفر۔ انتہیٰ وحضرت شیخ عبدالقادر اگرچہ از اجلہ اولیاء امت محمدیہ اند ومناقب وفضائل شان لا تعد ولا تحصی اند لیکن چنیں قدرت شان کہ فریاد را از امکنہ بعیدہ بشنوند وبہ فریاد رسند ثابت نیست واعتقاد ایں کہ آن جناب ہر وقت حال مریدان خود می دانند وندائے شان می شنوند از عقائد شرک است۔" (مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحی لکھنوی حنفی ج ۳ ص ۴۴)

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ لکھتے ہیں :۔

" بدانکہ دریں مقام مزلۃ الاقدام بسیارے افتادہ اند در شافع مشفوع الیہ فرق نہ کردہ اندمی گویند یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً للہ۔ یعنی " اے شیخ عبدالقادر جیلانی چیزے از برائے خدا بدہ ، دریں کلام خدائے تعالےٰ را شفیع گردانیدہ اندو حضرت شیخ را دہندہ وحقیقت بالعکس می نماید" (البلاغ المبین ص ۱۱۴۔ ۱۱۵۔ طبع لاہور)

" جاننا چاہیئے یہ بہت سے لوگوں کے پھسل جانے کا مقام ہے ، انہوں نے سفارش کرنے والے اور جس کی طرف سفارش کی جائے ۔ میں فرق نہیں سمجھا ۔ کہتے ہیں۔ "یا شیخ عبدالقادر جیلانی خدا کے لئے کچھ دے " اس کلام میں انہوں نے خدا کو سفارشی بنایا ہے ۔ اور حضرت شیخ کو دینے والا ، حالانکہ حقیقت اس کے برعکس معلوم ہوتی ہے۔ (ترجمہ " البلاغ المبین " طبع ملتان" ص ۱۱۲)

اس طرح کی امداد کو ، جو وظیفہ مذکور (شیئاً للہ) میں کی گئی ہے ۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے خدا کی توہین قرار دیا ہے ۔ چنانچہ وہ اس کے بعد لکھتے ہیں :۔

" ازیں جا دریافت شد کہ بواسطہ خدا از مخلوق حاجت خواستن خصوصاً از عالمیان غیب گویا خدا را بے چارا دانستن و مخلوق را توانا و دانا پنداشتن است ۔ معاذ اللہ من ذالك " (البلاغ المبین فارسی ۔ ص ۱۱۵)

یعنی " اس سے ثابت ہوا کہ زندہ و غیر زندہ مخلوق کے پاس اللہ تعالیٰ کو شفیع بنا کر لانا یا اس کا واسطہ دے کر مخلوق سے حاجت روائی چاہنا گویا خدا کو عاجز سمجھنا اور مخلوق کو توانا تر جاننا ہے ۔ معاذ اللہ من ذالك " (ترجمہ اردو" ص ۱۱۲)

قبر پرستوں کا شرک صریح

اگر یہ کہا جائے کہ ہم لوگ تو ان کو صرف بطور " وسیلہ " پکارتے ہیں ۔ ہمارا عقیدہ

یہ نہیں ہوتا کہ وہ خدائی صفات سے متصف ہیں لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ محض تکلف ہے۔ خدائی صفات تسلیم کئے بغیر ان کو مافوق الاسباب طریق سے پکارنے کا کوئی مفہوم ہی نہیں رہتا۔ تاہم اتمام حجت کے طور پر ہم مخاطبین کے مشہور رسالے سے ایک نظم پیش کرتے ہیں۔ جس میں شیخ عبدالقادر جیلانی کے اندر تمام خدائی صفات کا اثبات کیا گیا ہے جس سے صاف واضح ہو جاتا ہے کہ قبر پرست چاہے تاویلات کے کیسے ہی حسین غلاف چڑھا لیں۔ الفاظ کے خوب بینا بازار سجالیں اور کیسے ہی خوش کن عنوانات اختیار کر لیں لیکن ان کا عقیدہ و عمل صریحًا مشرکانہ ہے لیجئے ذرا دل پر ہاتھ رکھ کر نظم ملاحظہ فرمائیے۔

خدا کے فضل سے ہم پر ہے سایہ غوث اعظم کا ہمیں دونوں جہاں میں ہے سہارا غوث اعظم کا

ہماری لاج کس کے ہاتھ ہے بغداد والے کے بلائیں ٹال دینا کام کس کا، غوث اعظم کا

جہاز تاجراں گرداب سے فوراً نکل آیا وظیفہ جب انہوں نے پڑھ لیا یا غوث اعظم کا

گئے اک وقت میں ستر مریدوں کے یہاں آقا سمجھ میں آ نہیں سکتا معمہ غوث اعظم کا

شفا پاتے ہیں صدہا جاں بلب امراض مہلک سے عجب دار الشفا ہے آستانہ غوث اعظم کا

بِلَادُ اللّٰهِ مُلْكِيْ تَحْتَ حُكْمِيْ سے یہ ظاہر ہے کہ عالم میں ہر اک شے پر ہے قبضہ غوث اعظم کا

حُكْمِيْ نَافِذٌ فِيْ كُلِّ حَالٍ سے ہوا ظاہر تصرف انس و جن سب پر ہے آقا غوث اعظم کا

ہوا موقوف فوراً ہی برسنا اہل محفل پر جو پایا ابر باراں نے اشارہ غوث اعظم کا

جو حق چاہے وہ یہ چاہیں جو یہ چاہیں وہ حق چاہے تو مٹ سکتا ہے پھر کس طرح چاہا غوث اعظم کا

فقیہوں کے دلوں سے دھو دیا ان کے سوالوں کو دلوں پر ہے بنی آدم کے قبضہ غوث اعظم کا

وہ کہہ کر قُم باذن اللہ جلا دیتے تھے مردوں کو بہت مشہور ہے احیائے موتی غوث اعظم کا

فرشتے مدرسے تک ساتھ پہنچانے کو جاتے تھے یہ دربار الٰہی میں ہے رتبہ غوث اعظم کا

لعاب اپنا چٹایا احمد مختار نے ان کو تو پھر کیسے نہ ہوتا بول بالا غوث اعظم کا

رسول اللہ ﷺ نے خلعت پہنایا برسر مجلس بجے کیونکر نہ پھر عالم میں ڈنکا غوث اعظم کا

ہمارا ظاہر و باطن ہے ان کے آگے آئینہ   کسی شے سے نہیں عالم میں پردہ غوثِ اعظم کا

(ماہنامہ "رضائے مصطفےٰ" گوجرانوالہ، جلد ۱۵، شمارہ ۶، ۳ مئی ۱۹۷۲ء)

نظم کا ایک ایک شعر ملاحظہ فرمایئے کہ کس فراخ دلی سے تمام خدائی صفات کا اثبات ایک مُردہ بزرگ کے حق میں کیا گیا ہے، بالخصوص اس کے یہ شعر جن میں کہا گیا ہے کہ:۔

" بلائیں ٹال دینا غوثِ اعظم کا کام ہے "

" دونوں جہانوں میں ہمیں اُن کا سہارا ہے "

" عالم میں ہر اک شئے پر غوثِ اعظم کا قبضہ ہے "

" سب انس و جن پر ان کا تصرّف ہے "

" ہمارا ظاہر و باطن ان کے آگے آئینہ ہے "

" ان کا مُردوں کو زندہ کرنا بہت مشہور ہے "

" عالم میں کوئی شے کا ان سے پردہ نہیں " وغیرہ

اتنی خدائی صفات کا اثبات تو آج تک کسی بریلوی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک کے لئے بھی نہیں کیا۔ گویا ان کے "غوثِ اعظم" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی بڑھ گئے؟ ہم مدیر رضوان سے پوچھیں گے کہ یہ بزرگوں کو بطورِ وسیلہ پکڑنا ہے یا بجائے خود ان کو تختِ الوہیت پر بٹھانا ہے! پھر انہوں نے صرف پیر جیلانی کو ہی خدائی منصب نہیں دیا بلکہ ہر گنبد نما پختہ قبر میں مدفون شخص ان کے نزدیک خدائی اختیارات رکھتا ہے، چاہے اس میں مدفون شخص ساری عمر نماز و طہارت وغیرہ سے بھی بے نیاز رہا ہو۔ جس کی متعدد مثالیں موجود ہیں لیکن ان کی قبریں خوب پُج رہی ہیں۔ وہ قاضی الحاجات اور مشکل کشا بنے ہوئے ہیں۔ کیا بزرگوں کی محبت و عقیدت کے نام پہ یہ گور پرستی اور مُردہ پرستی شرکِ صریح نہیں؟ آہ مولانا حالی نے خوب کہا ہے

کرے غیر گر بُت کی پوجا تو کافر! | جو ٹھہرائے بیٹا خدا کا تو کافر!
کہے آگ کو اپنا قبلہ تو کافر | کواکب میں مانے کرشمہ تو کافر!
مگر مومنوں پر کشادہ ہیں راہیں | پرستش کریں شوق سے جس کی چاہیں
نبی کو جو چاہیں خدا کر دکھائیں | اماموں کا رتبہ نبی سے بڑھائیں
مزاروں پہ دن رات نذریں چڑھائیں | شہیدوں سے جا جا کے مانگیں دعائیں
نہ توحید میں کچھ خلل اس سے آئے | نہ اسلام بگڑے نہ ایمان جائے
وہ دیں جس سے توحید پھیلی جہاں میں | ہوا جلوہ گر حق زمین و زماں میں
رہا شرک باقی نہ وہم و گماں میں | وہ بدلا گیا آکے ہندوستاں میں
ہمیشہ سے اسلام تھا جس پہ نازاں | وہ دولت بھی کھو بیٹھے آخر مسلماں

دعوتِ توحید

ہم اپنے اس مضمون کو مولانا خرم علی بلہوری (متوفی ۱۲۷۱ھ) مرحوم کی اس مشہور نظم پر ختم کرتے ہیں جس میں بڑی خوبصورتی اور اخلاص و دردمندی کے ساتھ جاہل مسلمانوں کی شرک پرستی کی تردید کی گئی ہے اور ان کو دعوتِ توحید دی گئی ہے اور اہلِ توحید پر اولیاء دشمنی کا جو الزام دھرا جاتا ہے اس کی وضاحت کی گئی ہے ۔ فرماتے ہیں ۔

خدا فرما چکا قرآں کے اندر | مرے محتاج ہیں پیر و پیمبر
نہیں طاقت سوا میرے کسی میں | کہ کام آوے تمہاری بے کسی میں
جو خود محتاج ہووے دوسرے کا | بھلا اس سے مدد کا مانگنا کیا
خدا سے اور بزرگوں سے بھی کہنا | یہی ہے شرک یارو اس سے بچنا
خبر قرآں میں ہے یہ محقق! | نہ بخشے گا خدا مشرک کو مطلق
معاذ اللہ جسے اس نے نہ بخشا | مقرر وہ جہنم میں پڑے گا!

اگر قرآن کو سچ جانتے ہو	تو پھر تم منتیں کیوں مانتے ہو
تمہیں یہ طورِ بد کس نے سکھایا	محمدؐ نے کہاں ہے یہ بتایا
ہے شیطاں دشمنِ اولادِ آدم	سکھاتا ہے وہی راہِ جہنّم
کسی کو بت پرستی ہے سکھاتا	کسی کو ہے وہ قبروں پر جھکاتا
غرض اللہ سے دونوں کو روکا	بھلا کر راہ، جا خندق میں جھونکا
مسلمانو! ذرا سوچو تو دل میں	پھنسے ہو کس طرح تم آب و گِل میں
بہت غفلت میں سوئے اب تو جاگو	خدا کے ہوتے بندوں سے نہ مانگو
وہ مالک ہے سب لگے اس کے لاچار	نہیں ہے کوئی اس کے گھر کا مختار
وہ کیا ہے جو نہیں ہوتا خدا سے	جسے تم مانگتے ہو اولیاء سے
بیانِ شرک سن کہتے ہیں مردک	کہ منکر ہیں بزرگوں کے بلا شک
ارے لوگو! زباں اپنی کو روکو	بزرگوں سے نہیں انکار ہم کو
خدا لعنت کرے اس روسیہ پر	کہ جس کے دل میں ہو بغضِ پیمبرؐ
جسے ہو بغض آلِ مصطفےٰؐ کا	خدا اس کو کرے دوزخ کا کُندہ
جسے اصحابِ حضرتؐ سے ہو انکار	رہے ہر دم خدا کی اس پہ پھٹکار
جسے کچھ بغض ہووے اولیاء سے	ہمیشہ ابرِ لعنت اس پہ برسے
اب اتنا اور بھی سن رکھیے حضرت	جو حق پر نہ چلے اس پر بھی لعنت
ہمارا کام سمجھانا ہے یارو!	اب آگے چاہو تم مانو نہ مانو

تو اپنے حال میں ہی سوچ خرم
زباں اب بند کر واللہ اعلم

(ہفت روزہ الاعتصام لاہور - ۱۸ نومبر تا ۹ دسمبر ۱۹۸۳ء)

— ۲ —

قبر پرستی کی ایک "وکالت" کا جائزہ

یکم مارچ ۱۹۷۹ء کے "نوائے وقت" لاہور میں جناب ڈاکٹر غلام جیلانی صاحب کا مضمون بعنوان "فروعی اختلافات، علمائے کرام سے اپیل" شائع ہوا ہے۔ موصوف ہمارے ملک کی ایک فاضل شخصیت اور ملک و ملت کی اصلاح کے جذبے سے سرشار ہیں۔ محولہ مضمون بھی ایک اصلاحی نقطۂ نظر سے ہی انہوں نے لکھا ہے جو یقیناً قابلِ قدر ہے لیکن افسوس ہے کہ مضمون میں انہوں نے اپنی اس حیثیت کو پیشِ نظر نہیں رکھا جس کا اظہار انہوں نے آغازِ مضمون میں کیا اور عنوانِ مضمون سے مترشح ہوتا ہے۔

بلاشبہ موصوف کا یہ جذبہ قابلِ قدر ہے کہ علمائے کرام فروعی اختلافات کو عوام کے سامنے پیش کرنے سے اجتناب کریں کہ ایک دوسرے کے خلاف عام مجمعوں میں طعن و تشنیع سے علماء اور اسلام کے خلاف نفرت پیدا ہو رہی ہے۔ مضمون اس اپیل کی حد تک رہتا تو یقیناً اُن کے اس مقصد کے مطابق ہوتا جو ان کا مطلوب تھا لیکن وہ ایک اپیل کنندہ سے تجاوز کر کے ایک فریق کے وکیل صفائی بن گئے اور قبر پرستی کا جواز پیش کرنا شروع کر دیا۔ اس طرح ظاہر ہے کہ وہ غیر جانبدار نہیں رہے بلکہ اسی جانبداری اور حزبی وابستگی کا مظاہرہ کیا ہے جس کا شکوہ انہوں نے علماء سے کیا ہے ہم یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ اس کے بعد ان کی اپیل کو کس طرح مخلصانہ اور ہمدردانہ قرار دیں؟ تاہم مضمون کا انداز چونکہ مخلصانہ اور ہمدردانہ ہے اس لئے بہت سے لوگوں کی غلط فہمی کا باعث بن سکتا ہے۔ بنا بریں چند گزارشات پیشِ خدمت ہیں۔ مقصود ہمارا ایسی ناخوشگوار بحث کا چھیڑنا نہیں صرف حقیقتِ حال کی وضاحت ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ اس وقت بعض بزرگوں کی اصلی یا فرضی قبروں پر جو کچھ ہو رہا ہے،

اسلام میں اس کی گنجائش نہیں معلوم ایسا ہوتا ہے کہ یا تو موصوف کبھی ایسی قبر پر گئے ہی نہیں جو مرجع عوام وخواص ہیں یا پھر انہیں براہ راست کسی قبر پرست کی زبان سے مدفون اولیاء اللہ کے متعلق خیالات سننے کا اتفاق نہیں ہوا۔ اگر ان دو باتوں میں سے ایک بات بھی ہوتی تو وہ یقیناً قبر پرستی کا جواز پیش نہ فرماتے۔ جناب برق صاحب فرماتے ہیں ۔

"اگر لوگ ان عظیم و مقدس نقوش کے سرہانے کھڑے ہو کر ان کے کارناموں کا ذکر کریں، قرآن پڑھ کر ان کی روح کو ثواب پہنچائیں تو حرج کیا ہے اگر لوگ موہنجوڈارو اور ٹیکسلا کے کھنڈرات اس لئے دیکھنے جاتے ہیں کہ وہاں صدیوں پہلے کی تہذیبیں اپنی داستان سنا رہی ہوتی ہیں تو پھر ہم ان بزرگوں کے مزارات پر کیوں نہ جائیں جن کی زندگیاں اللہ کا پیغام اور ایک نئی تہذیب پھیلانے میں گذری تھیں "

فی الحال اس بحث سے صرف نظر کرکے کہ کسی بزرگ کی قبر پر کھڑے ہو کر اس کے کارناموں کا ذکر یا قرآن پڑھ کر اس کی روح کو ثواب پہنچانے کا تصور اسلام میں ہے بھی ؟ اور اس کا کوئی ثبوت حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور عہد صحابہؓ و تابعین و تبع تابعین میں ملتا بھی ہے ؟ ہم موصوف سے بصد ادب یہ سوال کریں گے کہ کیا عوام فی الواقع بزرگوں کی قبروں پر صرف ان کے کارناموں کا ذکر کرتے یا قرآن پڑھنے یا موہنجوڈارو وغیرہ کی طرح تاریخی آثار دیکھنے ہی جاتے ہیں ؟ ہمارا مشاہدہ تو یہ ہے کہ لوگ قبر میں مدفون بزرگوں کو قاضی الحاجات، نافع و ضار، عالم الغیب، سمیع و بصیر سمجھ کر جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہاں عوام وہ تمام کام کرتے ہیں جو بت پرست بتوں اور مورتیوں کے سامنے کرتے ہیں اور جو عبادت و پرستش کی ذیل میں آتے ہیں۔ اسی طرح الحاح وزاری سے ان کے حضور مناجات کرتے ہیں جس طرح علیم بذات الصدور کے سامنے کی جاتی ہیں ۔ اسی طرح قبر کی طرف رخ کر کے ہاتھ باندھ کر اور سر نیہوڑ کر کھڑے ہو جاتے ہیں جس طرح نماز میں مسلمان قبلہ رخ ہاتھ باندھے کھڑا ہوتا ہے

قبر کے تعویذ یا ڈیوڑھی پر اسی طرح ماتھا رگڑتے ہیں جس طرح سجدے میں پیشانی زمین پر رکھنے کا حکم ہے جو یقیناً سجدے ہی کی ایک شکل ہے۔ حتیٰ کہ قبروں کا خانہ کعبہ کی طرح طواف کیا جاتا ہے۔ اور خانہ کعبہ ہی کی طرح قبروں کو غسل دیا جاتا ہے۔ اُن کے نام پر نذر نیازیں دی جاتی ہیں، چڑھاوے چڑھائے جاتے ہیں۔ اور ان قبروں کے آس پاس ان کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے ان کے نام کی دیگیں تقسیم کی جاتی ہیں۔ مشکلات کے وقت اسی طرح ان کو مدد کے لئے پکارا جاتا ہے جس طرح اللہ کو مدد کے لئے پکارا جاتا ہے۔ اُن سے اولادیں مانگی جاتی ہیں۔ فرمایئے کیا یہ مشرکانہ افعال نہیں؟ کیا اسلام میں ان چیزوں کا کوئی جواز موجود ہے؟ کیا یہ وہ مراسم عبادت نہیں جو صرف اللہ کے لئے خاص ہیں؟

ڈاکٹر برق صاحب فرماتے ہیں۔

"ممکن ہے کہ بعض حاجت مند انہیں وسیلہ و واسطہ بنا کر خدا سے دعاء مانگتے ہوں۔ ایسے لوگوں کو مشرک کہنے سے پہلے شرک کی ماہیت کو سمجھنا ضروری ہے۔ شرک کا مفہوم ہے کسی کو خدا کا شریک ٹھہرانا۔ خود مانگنے والے سے پوچھئے کہ اس کی نیت کیا ہے؟ ..... اُس نے تو ولی کو خدا کا مقرب و محبوب سمجھ کر واسطہ بنایا ہوگا نہ کہ خدائی میں شریک جان کر۔"

اس عبارت میں بھی موصوف کی بے خبری قابل ماتم ہے۔ یعنی اول تو موصوف اس بات سے ہی منکر ہیں کہ قبروں پر جا کر لوگ فریادیں پیش کرتے ہیں۔ اس لئے وہ کہتے ہیں "ممکن ہے کہ بعض حاجت مند اُنہیں وسیلہ بنا کر دُعاء مانگتے ہوں" یعنی لوگ قبروں پر جا کر دُعائیں نہیں مانگتے ہاں ممکن ہے کہ بعض لوگ ایسا کرتے ہیں۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ لوگ جاتے ہی وہاں دُعاء کے لئے ہیں۔ جمعرات کو تو بالخصوص ایسی قبروں پر عورتوں کے ٹھٹ کے ٹھٹ لگے ہوتے ہیں اور سب کا مقصد صاحب قبر کی خوشنودی، عرض حال اور حاجت طلبی ہی ہوتی ہے۔ لوگ اللہ کو تو بالکل بھول گئے ہیں مسجدوں کا رُخ کوئی نہیں کرتا، البتہ قبروں پر

خوب میلے لگے رہتے ہیں۔

پھر یہ بھی مغالطہ ہے کہ لوگ انہیں وسیلہ و واسطہ بنا کر خدا سے دُعاء مانگتے ہیں، ایسے لوگ اُن کو خدا کا شریک نہیں ٹھہراتے اس لئے انہیں مشرک نہیں کہا جا سکتا۔ ٹھیک ہے کسی مسلمان کو مشرک کہنا صحیح نہیں۔ لیکن اگر مسلمان فی الواقع مشرکانہ عقائد و اعمال میں مبتلا ہوں تو پھر انہیں کیا کہا جائے۔؟ اور شرک و توحید کے فرق کو کس طرح واضح کیا جائے؟ یہی واسطہ و وسیلہ کا مسئلہ لے لیجئے کہ کسی فوت شدہ بزرگ کو وسیلہ بنانا اسلام میں جائز ہے؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر تو کائنات میں کوئی بزرگ اور افضل نہیں ہو سکتا۔ لیکن کسی صحابی نے کبھی آپؐ کی قبر پر جا کر آپؐ کے وسیلے اور واسطے سے دُعاء نہیں مانگی۔ جب صحابہ کرامؓ نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک کو وسیلہ نہیں بنایا تو اور کون ہے جس کو واسطہ و وسیلہ بنایا جا سکے؟ کسی زندہ بزرگ کے ذریعے سے دعاء کرانا، اس کا ثبوت تو صحابہ کرامؓ سے ملتا ہے لیکن کسی فوت شدہ بزرگ بلکہ نبی حتیٰ کہ سید الانبیاء محمد عربی علیہ الصلوٰۃ والسلام تک کی قبر مبارک پر جا کر عرضِ حال یا ان کو وسیلہ بنا کر دعاء مانگنا، اس کا کوئی صحیح ثبوت نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت میں قحط پڑا تو صحیح بخاری میں آتا ہے کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباسؓ سے بارش کی دعاء کرائی اور حضرت عباسؓ کا "وسیلہ" پکڑ کر بارگاہِ الٰہی میں عرض گزار ہوئے۔

اگر فوت شدہ بزرگوں کی قبروں پر جا کر اور انہیں وسیلہ بنا کر دُعاء مانگنی جائز ہوتی تو کیا حضرت عمرؓ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر جا کر دُعاء نہ کرتے لیکن حضرت عمرؓ نے ایسا نہیں کیا بلکہ زندہ بزرگ کے ذریعے سے دعاء کروائی۔ اسی طرح کسی بھی صحابی نے کسی موقع پر بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر جا کر ان کو وسیلہ نہیں بنایا۔ معلوم ہوا کہ وسیلہ اگر پکڑا جا سکتا ہے تو وہ صرف زندہ نیک لوگوں کا نہ کہ مرنے کے بعد قبروں میں مدفون لوگوں کا۔

قبروں میں مدفون بزرگ کو وسیلہ بنانے کا مطلب ہی یہ ہے کہ وسیلہ بنانے والا اُس فوت شدہ شخص کو نہ صرف زندہ سمجھتا ہے بلکہ اُسے خدا تعالیٰ کی طرح سمیع و بصیر اور عالم الغیب بھی سمجھتا ہے، تب ہی تو اس کی قبر پر جا کر یا اس کا نام جپ کر اس سے عرضِ حال کرتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اللہ کے سوا کسی بھی نبی ولی بزرگ کو سمیع و بصیر اور عالم الغیب و حاضر ناظر جاننا اسی کا نام تو شرک ہے۔ اگر یہ شرک نہیں تو پھر مشرکینِ مکہ کو مشرک کیوں کہا جاتا ہے؟ وہ بھی تو اپنے معبودوں کو خالق و رازق نہیں سمجھتے تھے، وہ بھی آج کل کے قبر پرستوں ہی کی طرح ان کو خدا کے ہاں سفارشی سمجھتے تھے جس کی وضاحت خود قرآن مجید میں موجود ہے، وہ کہتے تھے۔ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ (یونس ـ ۱۸) "یہ اللہ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں"۔ یعنی ان کے ذریعے اور وسیلے سے ہم اپنی دعائیں بارگاہِ خداوندی میں پہنچاتے ہیں۔ دوسرے مقام پر قرآن نے مشرکینِ مکہ کا یہ قول نقل کیا ہے۔ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى (الزمر ـ ۳) "ہم ان کی پرستش (یعنی نذر و نیاز، چڑھاوے اور طواف و سجدے وغیرہ) اس لیے کرتے ہیں تاکہ یہ ہمیں اللہ کے قریب کر دیں" یعنی ان کے ذریعے اور وسیلے سے ہم اللہ تک رسائی حاصل کرتے ہیں۔ بتلائیے! اگر یہ وسیلہ شرک نہیں تو پھر دنیا میں مشرک کون ہے؟

غلط استدلال

ڈاکٹر صاحب موصوف نے اپنی تائید میں چند "دلائل" بھی پیش فرمائے ہیں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے ان کی بھی وضاحت ہو جائے۔

ایک "دلیل" اُنہوں نے یہ پیش فرمائی ہے کہ شہداء کو قرآن نے زندہ کہا ہے چونکہ اولیاء کے مدارج بہت بلند ہیں اس لئے یقیناً وہ بھی زندہ ہیں۔

ہم عرض کریں گے بلاشبہ قرآن مجید میں شہداء کو زندہ فرمایا گیا ہے۔ لیکن یہ زندگی کون سی ہے؟ برزخ کی زندگی ہے، جس کا ہمیں شعور ہی نہیں ہے کہ وہ زندگی کس نوعیت

کی ہے۔ دُنیوی اعتبار سے وہ مُردہ ہی ہیں۔ اگر شہداء کی برزخی زندگی کا مطلب یہ ہوتا کہ وہ ہماری فریادیں سُنتے ہیں، ہماری حاجت روائی کرسکتے ہیں اور ہمارے حالات سے وہ باخبر ہیں تو یقیناً عہدِ صحابہؓ و تابعینؒ میں شہداء، اولیاء اور نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کی قبروں پہ جاکر لوگ وہ کچھ ضرور کرتے جو آج کل ہر اصلی یا فرضی بزرگ کی قبر پر کیا جا رہا ہے۔

دوسری "دلیل" یہ فرمائی ہے کہ مرے ہوئے کے تصوّر سے باتیں کرنا انسانی فطرت کا معمول ہے، اس سے اسے سکون ملتا ہے۔ سو جناب! اس انسانی فطرت کے معمول سے انکار نہیں لیکن اس سے یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ مرے ہوئے شخص کو عالم الغیب، حاظر و ناظر اور سمیع و بصیر سمجھنا ٹھیک ہے جس طرح کہ فوت شُدہ بزرگوں کے متعلق یہ عقیدہ رکھ کر ہی اُنہیں پکارا جاتا ہے اور ان سے فریادیں کی جاتی ہیں۔ ایک بوڑھے شخص کا جواں سال بیٹا فوت ہو جائے، وہ بوڑھا باپ بیٹے کی لاش کو مخاطب کرکے کہے "بیٹے اس بڑھاپے کے عالم میں مجھے اکیلا چھوڑ گئے۔ اس بڑھاپے کا سہارا سمجھتے ہوئے تو تمہیں پالا پوسا تھا، اب کون میرا دست و بازو بنے گا؟" وغیرہ وغیرہ۔ ایک دوسرا شخص ہے وہ کسی ابتلاء سے دوچار ہوتا ہے وہ خدا کے سامنے سجدہ ریز ہونے کی بجائے کسی قبر کا رُخ کرتا ہے، وہاں ماتھا رگڑتا ہے۔ اپنی تکلیف صاحبِ قبر کے سامنے پیش کرتا ہے اور الحاح و زاری سے رفعِ ابتلاء کی درخواست پیش کرتا ہے۔ اوّل الذکر صورت یقیناً انسانی فطرت کا معمول ہے، اس سے اسے کچھ سکون ملتا ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا ثانی الذکر صورت بھی ایسی ہی ہے؟ یقیناً نہیں۔ دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ ان دونوں کو ایک دُوسرے پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے جس کو قیاسِ فاسد ہی کہا جائے گا۔ اسی طرح موصوف کا مرثیہ، اشعار میں مُردہ کے خطاب سے استدلال کرنا بالکل بے جوڑ سی بات ہے۔ اگر کوئی شاعر اپنے مُردہ ممدوح کو خطاب کرکے اس کی بعض صفات کا اظہار کرتا ہے تو شاعر یہ نہیں سمجھتا کہ وہ مُردہ اس کی باتیں سُن رہا ہے

بلکہ یہ وہی صورت ہے جسے ڈاکٹر صاحب انسانی فطرت کا معمول کہتے ہیں جیسا کہ ہم نے بھی اوّل الذکر مثال میں باپ بیٹے کی گفتگو کو اس کا مظہر قرار دیا ہے۔

اسی طرح نماز میں "اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ" جو پڑھا جاتا ہے جو بظاہر خطاب ہے لیکن اس میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کا عقیدہ نہیں ہوتا بلکہ یہ حکایۃً پڑھا جاتا ہے خود آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی نماز میں یہ الفاظ اسی طرح پڑھا کرتے تھے۔ ظاہر بات ہے کہ اللہ کا حکم پا کر آپؐ التحیات میں یہ الفاظ پڑھا کرتے تھے ورنہ آپؐ کا خطاب کس سے ہوتا تھا؟

اگر یہ سلام بطور خطاب ہوتا تو اس کا جواب بھی ضروری ہوتا لیکن ظاہر بات ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں، جب صحابہ کرامؓ التحیات میں یہ سلام پڑھتے تھے، تو آپؐ جواب نہیں دیتے تھے۔ کیونکہ نہ آپؐ سنتے تھے نہ صحابہ کرام کا سنانے کا عقیدہ ہی ہوتا تھا، اب آپؐ کی وفات کے بعد یہ عقیدہ کیونکر صحیح ہو سکتا ہے کہ آپؐ ہمارا التحیات والا سلام سنتے ہیں اور مسلمان آپ کو سنانے کے لئے ہی یہ سلام پڑھتے ہیں۔

بہرحال یہ سلام دعا ہے جس کا مقصد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے دعا ہے اور دعا کا یہ طریقہ بھی وہ ہے جو خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں سکھلایا ہے، ہمارا خود ساختہ طریقہ نہیں ہے۔ اس لئے اس مسنون سلام سے نہ خود ساختہ سلام کا جواز مہیا ہو سکتا ہے اور نہ مُردوں سے استمداد و استعانت کا اثبات۔

وما علینا الا البلاغ المبین

ہفت روزہ الاعتصام

۱۶ / مارچ ۱۹۷۹ء

فرقۂ غالیہ بریلویہ کے ترجمان

"رضائے مصطفےٰ" کے سوالات کے جوابات

۱۸ مئی ۷۶ء کے "الاعتصام" میں ہم نے فرقۂ غالیہ بریلویہ کے ترجمان ماہنامہ "رضائے مصطفےٰ" سے ایک نظم نقل کی تھی جو بظاہر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی منقبت میں تھی۔ لیکن درحقیقت وہ شرکیہ عقائد اور غلو کا ایک نمونہ تھی۔ اس میں سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کو خدائی صفات کا حامل قرار دیا گیا تھا۔ ہم نے اپنے صفحات میں یہ نظم اسی لئے نقل کی تھی کہ ہم بریلیوں کے مشرکانہ عقائد کی جو وضاحت کرتے رہتے ہیں کہ ان لوگوں نے بزرگوں کی شان اور منقبت کے نام پر شرک و بدعت کا بازار گرم کر رکھا ہے۔ یہ نظم اس عقیدے کا ایک واضح مظہر اور ہماری بیان کردہ باتوں کا ایک ثبوت تھی۔ ہم نے اس نظم پر عنوان دیا تھا "غلو کی انتہا" اور آغاز میں یہ نوٹ لکھا تھا۔

" فرقۂ بریلویہ اموات پرستی اور گور پرستی میں شرک کی جس انتہا کو پہنچ چکا ہے، اس کی ایک جھلک اس نظم میں دیکھی جا سکتی ہے۔ جو جون کے " رضائے مصطفےٰ " میں شائع ہوئی ہے۔ . . . اللہ تعالیٰ اس غلو اور شرکِ صریح سے ہم سب مسلمانوں کو بچائے (اور یہ بھی لکھا تھا) کہ ایسی سب کہانیاں بے ثبوت ہیں" [1]

اس نوٹ پر "رضائے مصطفےٰ" بڑا سیخ پا ہوا ہے اور اس کے مدیر سردبیر نے "الاعتصام" سے گیارہ (۱۱) سوالات کئے ہیں۔ اس زعم میں کہ شاید گیارہ کے عدد سے "گیارہویں شریف" کا ثبوت مہیا کیا جا سکے۔

---

[1] یہ مشرکانہ نظم صفحہ ۲۵ پر گذر چکی ہے وہاں ملاحظہ فرمالی جائے۔

سب سے پہلے تو اس نے "الاعتصام" میں اس نظم کی اشاعت ہی کو حضرت پیر جیلانیؒ کی کرامت" ظاہر کیا ہے کہ جماعت اہل حدیث ان شرکیہ باتوں کے سننے کی روادار نہیں لیکن ان کے اخبار میں یہ نظم شائع ہو کر اہلحدیث کے گھر گھر پہنچ گئی۔ مگر ہماری سمجھ میں نہیں آیا کہ اس میں کرامت کا کونسا پہلو ہے۔ قرآن مجید نے مشرکوں کے عقائد نقل کئے ہیں۔ تو کیا یہ اُن کفّار و مشرکین اور اُن کے باطل خداؤں کی "کرامت" سمجھی جائے گی کہ ان کے عقائد قرآن جیسی ابدی کتاب میں محفوظ ہو گئے۔ اور مسلمانوں کے گھر گھر پہنچ گئے۔ بات کرتے وقت کچھ تو عقل و فہم سے کام لینا چاہیئے لیکن یہ بے چارے بھی کیا کریں ان کو حلقۂ ارادت ہی ایسا ملا ہے کہ یہ لوگ کتنی بھی بے سروپا باتیں اپنے "وعظ شریف" میں بیان کر دیں سُبحان اللہ! ماشاء اللہ، کی آوازیں ہی بلند ہوتی ہیں۔ اس لیے ان کی یہ عادت پختہ ہو گئی ہے کہ جو منہ میں آئے کہتے چلے جاؤ چاہے قرآن و حدیث سے ان کا کوئی تعلق نہ ہو، عقل و فہم سے انہیں کوئی واسطہ نہ ہو۔ اور فکر و نظر کی بارگاہ میں ان کی کوئی وقعت نہ ہو۔ ورنہ "الاعتصام" میں ان کے مُشرکانہ عقائد کی مظہر نظم کی اشاعت ... کا "کرامت سے کیا تعلّق؟ اس طرح تو مدیر موصوف کو ہماری یہ کرامت بھی تسلیم کرنی چاہیئے کہ ہمارا "درسِ توحید" بھی رضائے مصطفےٰ میں شائع ہو کر بریلویوں کے گھروں میں پہنچ گیا ہے۔ فللہ الحمد علی ذلك۔

لیجئے اب "رضائے مصطفےٰ" کے سوالوں کا جواب بالترتیب سُنیئے! جو اس نے جون کے شمارے میں شائع کئے ہیں اور جن کا "معقول و مدلّل جواب" الاعتصام سے طلب کیا ہے۔

سوال نمبر ۱ "مجھو کی انتہاء سے کیا مراد ہے و کس حد تک غُلُو مذموم ہے۔ غُلُو کا اطلاق کہاں ہوتا ہے اور شرعاً غلو اور غلو کی انتہاء کا کیا حکم ہے"

جواب اگر مُدیر موصوف قرآن پر کچھ بھی تدبّر کر لیتے تو ان پہ غلو کا مفہوم بھی واضح ہو جاتا اور اس کے اطلاق اور شرعی حکم کا علم بھی۔ "غُلُو" کا لفظ خود قرآن مجید میں موجود ہے اور اس نے اسے جس سیاق میں ذکر کیا ہے اس سے وہ تمام پہلو واضح ہو جاتے

ہیں جن سے مذکورہ سوالات کا خمیر اٹھایا گیا ہے۔ اس لیے ہم قرآن وحدیث کی روشنی میں ہی غلو اور اس کے اطلاق وحکم کی وضاحت کرتے ہیں۔

قرآن نے دو مقام پر اہلِ کتاب کو "دین میں غلو" کرنے سے روکا ہے۔ ایک سورۂ نساء میں، دوسرے سورۂ مائدہ میں ——— فرمایا:۔

يَٰٓأَهْلَ ٱلْكِتَٰبِ لَا تَغْلُوا۟ فِى دِينِكُمْ وَلَا تَقُولُوا۟ عَلَى ٱللَّهِ إِلَّا ٱلْحَقَّ ۚ إِنَّمَا ٱلْمَسِيحُ عِيسَى ٱبْنُ مَرْيَمَ رَسُولُ ٱللَّهِ وَكَلِمَتُهُۥٓ أَلْقَىٰهَآ إِلَىٰ مَرْيَمَ وَرُوحٌ مِّنْهُ ۖ فَـَٔامِنُوا۟ بِٱللَّهِ وَرُسُلِهِۦ ۖ وَلَا تَقُولُوا۟ ثَلَٰثَةٌ ۚ ٱنتَهُوا۟ خَيْرًا لَّكُمْ ۚ إِنَّمَا ٱللَّهُ إِلَٰهٌ وَٰحِدٌ ۖ سُبْحَٰنَهُۥٓ أَن يَكُونَ لَهُۥ وَلَدٌ (النساء۔ ۱۷۱)

"اے اہلِ کتاب! اپنے دین میں ناحق غلو نہ کرو اور اللہ پر حق کے سوا کوئی اور بات نہ ڈالو۔ مسیح عیسیٰ ابن مریم تو بس اللہ کے ایک رسول اور اس کا ایک کلمہ ہیں جس کو اس نے مریم کی طرف القا فرمایا اور اس کی جانب سے ایک روح ہیں۔ پس اللہ اور رسولوں پر ایمان لاؤ اور تثلیث (تین خداؤں) کا دعوٰے نہ کرو۔ (اس عقیدے سے) باز آجاؤ یہی تمہارے حق میں بہتر ہے۔ الٰہ تو بس تنہا اللہ ہی ہے۔ وہ اس سے پاک ہے کہ اس کے اولاد ہو۔"

سورۂ مائدہ میں فرمایا گیا۔

يَٰٓأَهْلَ ٱلْكِتَٰبِ لَا تَغْلُوا۟ فِى دِينِكُمْ غَيْرَ ٱلْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوٓا۟ أَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوا۟ مِن قَبْلُ وَأَضَلُّوا۟ كَثِيرًا وَضَلُّوا۟ عَن سَوَآءِ ٱلسَّبِيلِ (المائدۃ۔ ۷۷)

" اے اہلِ کتاب! اپنے دین میں ناحق غلو نہ کرو۔ اور ان لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کرو جو اس سے پہلے گمراہ ہوئے اور جنہوں نے بہتوں

کو گمراہ کیا اور جو راہِ راست سے بھٹک گئے۔"

ان آیات میں یہاں اہلِ کتاب سے مراد نصاریٰ ہیں جنہوں نے دین میں غلو کیا۔ غلو کے معنی ہیں کسی چیز کی تائید و حمایت اور تعظیم و محبت میں حد سے بڑھ جانا۔ جس چیز کا جو درجہ و مرتبہ یا جو وزن و مقام ہے اس کو بڑھا کر کہیں سے کہیں لے جانا۔ علماء و ائمہ کو ان کے درجہ سے بڑھا کر رسولوں کا مقام عطا کر دینا اور انبیاء و رسل کو خدا، یا شریکِ خدا بنا ڈالنا، جس کی تعظیم مطلوب ہو، اس کی عبادت و پرستش شروع کر دینا۔ یہ سب غلو فی الدین ہے جس کا نقشہ حالی نے مسدس میں اس طرح کھینچا ہے۔

کرے غیر گر بت کی پوجا تو کافر — جو ٹھہرائے بیٹا خدا کا تو کافر
کہے آگ کو اپنا قبلہ تو کافر — کواکب میں مانے کرشمہ تو کافر

مگر مومنوں پر کشادہ ہیں راہیں
پرستش کریں شوق سے جس کی چاہیں

نبی کو جو چاہیں خدا کر دکھائیں — اماموں کا رتبہ نبی سے بڑھائیں
مزاروں پہ دن رات نذریں چڑھائیں — شہیدوں سے جا جا کے مانگیں دعائیں

نہ توحید میں کچھ خلل اس سے آئے
نہ اسلام بگڑے نہ ایمان جائے

اور قرآن نے نصاریٰ کے اس طرزِ عمل ہی کو غلو سے تعبیر کیا ہے۔ نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ کی عقیدت و محبت میں اتنا تجاوز (غلو) کیا کہ ایک برگزیدہ انسان کے رتبے سے اٹھا کر انہیں خدائی صفات کا حامل قرار دے لیا۔ رسول کے بجائے انہیں خدا بنا ڈالا۔ اور بعضوں نے انہیں ابن اللہ باور کرایا۔ اسی طرح حضرت مریم کی شان میں بھی انہوں نے غلو کیا اور "خدا" کا مقام انہیں بھی عطا کر دیا۔ اس طرح ایک طرف تو وہ توحید کے بھی قائل رہے۔ لیکن دوسری طرف انہوں نے اقانیم ثلاثہ (تین خداؤں) کا عقیدہ بھی گھڑ لیا اور توحید

کے ساتھ اس پر بھی ان کا اصرار رہا جس طرح فرقۂ بریلویہ نے بھی خدا کی وحدانیت کے عقیدے کے باوجود تین کے بجائے بیسیوں بزرگوں کو خدائی صفات کا حامل قرار دے رکھا ہے۔

قرآن نے یہاں ان کو ان مشرکانہ عقائد سے روکا ہے اور اسے غلو سے تعبیر کیا ہے اور انہیں صحیح معنوں میں "توحید" پر عمل پیرا ہونے کی تلقین کی ہے۔ تفسیر و تشریح کا یہ موقعہ نہیں، ترجمے سے بھی کافی وضاحت ہو جاتی ہے۔ اس لئے تفصیل سے گریز کر رہے ہیں۔

بہرحال اس وضاحت سے غلو کا مفہوم اور اس کے اطلاق اور حکم ہر چیز کا علم ہو جاتا ہے۔ اب یہ حقیقت بحث طلب نہیں رہ جاتی ہے کہ فرقۂ بریلویہ بھی اسی غلو میں مبتلا ہے یا نہیں؟ اس کے عقائد بھی واضح ہیں۔ اس فرقے نے انبیاء و رسل تو کجا اولیاء اللہ اور بزرگانِ دین کو بھی "خدا" یا خدائی صفات کا حامل قرار دے رکھا ہے۔ نظم زیرِ بحث کا ہر بند بھی ہمارے اس دعوے پر دلیل ہے۔ بالخصوص اس کے یہ بند جن میں کہا گیا ہے کہ بلائیں ٹال دینا غوثِ اعظم کا کام ہے۔" "دونوں جہانوں میں ہمیں ان کا سہارا ہے۔" "عالم میں ہر ایک شی پر غوثِ اعظم کا قبضہ ہے۔" "سب انس و جن پر ان کا تصرف ہے۔" "وہ قُم باذن اللہ کہہ کر مُردوں کو زندہ کر دیا کرتے تھے۔" "ہمارا ظاہر و باطن ان کے آگے آئینہ ہے۔" اور عالم میں کسی شئے کا ان سے پردہ نہیں۔

یہ تمام خدائی صفات ہیں جو حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ میں ثابت کی گئی ہیں۔ جو غلو کی انتہا ہے اور غلو کی یہ انتہا شرک کہلاتی ہے اور ملاحظہ فرمائیے کہ یہ فرقہ کس طرح صریحاً شرکیہ عقیدوں میں مبتلا ہے ؎

وہی جو مستویٔ عرش تھا خدا ہو کر — اُتر پڑا ہے مدینے میں مصطفٰے ہو کر

؎ شریعت کا ڈر ہے نہیں صاف کہہ دوں — حبیبِ خدا خود خدا بن کے آیا

؎ ہمارا نبی تو بشر ہی نہیں — خدا ہے تجھے کیا خبر ہی نہیں

؎ مقام اس نبی کا تو عرشِ بریں ہے — خدا نہ کہے جو وہ کافر لعیں ہے

؎ کیا فرق ہے عزیز و حضرت میں اور خدا میں
وہ بھی الٰہ ہے یارو یہ بھی الٰہ ہے یارو

کیا یہ وہی غلو نہیں جس میں نصاریٰ حضرت عیسیٰؑ کی تعظیم و محبت کے نام پر مبتلا ہوئے اور جس سے بچنے کی حضورؐ نے بھی خاص طور پر تلقین کی تھی۔ لَا تُطْرُوْنِیْ کَمَا اَطْرَتِ النَّصَارٰی ابْنَ مَرْیَمَ فَاِنَّمَا اَنَا عَبْدُہٗ فَقُوْلُوْا عَبْدُ اللّٰہِ وَرَسُوْلُہٗ ۔ متفق علیہ (مشکوٰۃ باب المفاخر والعصبیۃ) "میری مدح و تعریف اور تعظیم و عقیدت میں اس طرح مبالغہ اور غلو نہ کرنا جس طرح نصاریٰ نے عیسیٰ ابن مریم کے بارے میں کیا۔ (یاد رکھو) میں صرف اللہ کا بندہ ہوں اور مجھے اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہی کہنا۔"

پھر اسی پر بس نہیں بلکہ اپنے اپنے علاقوں کے گدی نشینوں اور فوت شدہ بزرگوں کو بھی اس فرقۂ غالیہ نے خدائی صفات کا حامل قرار دے رکھا ہے۔ پیر عبدالقادر جیلانیؒ کے متعلق ان کے مزید شرکیہ اشعار ملاحظہ فرمائیں ؎

اول محی الدین آخر محی الدین ظاہر محی الدین باطن محی الدین

خیال رہے کہ محی الدین حضرت پیر جیلانی کا لقب ہے اور اس شعر میں انہیں اس آیت کا مصداق ٹھہرایا گیا ہے۔ ھو الاول والاٰخر والظاھر والباطن حالانکہ یہ صفات قرآن نے صرف خدا کے لئے بیان کی ہیں۔

؎ انت شافی انت کافی فی مہمات الامور
انت حسبی انت ربی انت لی نعم الوکیل

؎ المدد یا غوث اعظم المدد یا دستگیر
تیری نگاہ درکار ہے پیران پیر

اٹھا پھر درد سینے میں مگر اس کی دوا تم ہو نہ ہوتا ڈر قیامت کا تو کہہ دیتا خدا تم ہو

ے یا غوثِ اعظم بہرِ خدا سُن عرض میں بدکار دی — ندھ باجھ میرا کون ہے لے سار جو بیمار دی

ے امداد کُن امداد کُن از بندِ غم آزاد کُن — در دین و دنیا شاد کُن یا شیخ عبدالقادرا

خواجہ غلام فرید سجادہ نشین چاچڑ شریف مٹھن کوٹ کے بارے میں چند اشعار ملاحظہ فرمائیں ے

میری لاکھ جانیں قربان اس پہ — جو یثرب سے چاچڑ نشیں بن کے آیا

چاچڑ وانگ مدینہ دسدے، کوٹ مٹھن بیت اللہ — ظاہر دے وچ پیر فریدن باطن دے وچ اللہ

جو مشتاقِ نظارہ ہو میرے خواجہ کو آ دیکھے — عیاں شانِ خدائی ہے فقط پردہ ہے انساں کا

الغرض کہاں تک یہ اشعار نقل کئے جائیں، ان کا تو ہر مدفون بزرگ "خدائے قہار و غالب" اور "متصرفِ کائنات" بنا ہوا ہے اور ان میں سے ہر ایک کی شان میں خدائی صفات کا اثبات اس فراخ دلی سے کیا گیا ہے کہ نصاریٰ کا غلو اس کے مقابلے میں کوئی نسبت ہی نہیں رکھتا۔ فنعوذ باللہ من ھٰذہ الخرافات والاکاذیب۔

سوال نمبر ۲ "شرک کی صحیح تعریف کیا ہے اور شرک کی انتہاء سے کیا مراد ہے؟"

جواب شرک کی صاف اور آسان سی تعریف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کچھ اور لوگوں کو بھی ما فوق الاسباب طریق پر حاجت روا اور مشکل کشا سمجھا جائے انہیں غائبانہ طور پر پکارا جائے، ان سے استمداد و استعانت کی جائے۔ اور ان میں خدائی صفات کا اثبات کیا جائے۔ مثلاً علم غیب، حاضر ناظر، تصرف فی الامور وغیرہ۔

اور شرک کی انتہاء سے مُراد اہلِ شرک کا یہ طرزِ عمل ہے کہ پہلے انہوں نے نبیوں کو خدائی صفت سے متصف قرار دیا، پھر اس سے نیچے اُتر کر یہی خدائی صفات اولیاء اللہ اور بزرگانِ دین میں بھی ثابت کیں۔ پھر اور پستی میں اُتر کر ہر ایرے غیرے نتھو خیرے کو خدائی صفات کا مظہر قرار دے ڈالا جس طرح قبوری شریعت کے مزاج شناس ایسی چیزوں سے واقف ہیں اور بعض دفعہ شرک کی انتہاء سے مراد کسی بزرگ کی شان میں وہ بہت

زیادہ غلو ہے کہ اس میں اور خدا میں قطعاً کوئی فرق ہی نہ رہے جس طرح زیر بحث نظم میں اور دیگر مذکورہ اشعار میں سیّد عبدالقادر جیلانیؒ کو مقامِ الوہیت پر بٹھا دیا گیا ہے۔

سوال نمبر ۳ " اموات پرستی و گور پرستی کا کیا مطلب ہے۔ پرستش کا کیا معنی ہے۔ اور کون کون سی چیز پرستش کہلاتی ہے؟ "غوث اعظم رضی اللہ عنہ" کو حیاتِ برزخی حاصل ہے یا نہیں، اگر ہے تو کس حد تک؟"

جواب اموات پرستی کا مطلب یہی ہے کہ جو اولیاء اللہ فوت ہو چکے ہیں، انہیں حاضر ناظر، عالم الغیب اور نافع و ضار سمجھ کر مدد کے لئے پکارا جائے۔ بزرگانِ دین کی قبروں پر جا کر ان سے استمداد و استعانت کرنا گور پرستی ہے اور غیر اللہ کو خدائی صفات واختیارات سے بہرہ ور سمجھ کر ما فوق الاسباب طریق پر ان سے استمداد و استعانت پرستش (عبادت) کہلاتی ہے۔ چاہے وہ غیر اللہ پتھر کی مورتی ہو، کسی بزرگ کی قبر ہو یا کوئی اور صورت ہو جس چیز میں بھی کسی طریقے سے خدائی صفات تسلیم کر کے اس سے استمداد کی جائے، وہ پرستش ہی ہو گی۔

حیاتِ برزخی انبیاء علیہم السلام اور شہداء اور عام صالحین سب کو حاصل سہی ــ اور اس سے کس کو انکار ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ اس حیاتِ برزخی کی نوعیت کیا ہے؟ جس پر نصِ قرآنی لا تشعرون شاہد ہے۔ واقعہ تو یہ ہے کہ کسی کو اس کی حقیقت معلوم نہیں جب اس کی نوعیت ہی کا کسی کو علم نہیں تو اس کی حد؟ چہ معنی؟ پھر سیّدنا عبدالقادر جیلانی رہ کی اس میں کوئی خصوصیت نہیں، نہ اس حیاتِ برزخی کا یہ مطلب ہے کہ وہ ہماری فریادیں سنتے ہیں اور انہیں خدائی اختیارات ملے ہوئے ہیں اور وہ زمین کے بطن میں بیٹھے ہوئے کائنات میں تصرّف کر رہے ہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو صحابہ کرامؓ حضور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپؐ کی وفات کے بعد امداد مانگتے آپ سے فریادیں کرتے اور وہ بھی آپ کی طرح یا شیخ عبدالقادر شیئاً للہ کی طرح "یا محمد شیئاً للہ" کا وظیفہ کرتے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

سے زیادہ حیاتِ برزخی کسے حاصل ہو سکتی ہے۔؟

سوال نمبر ۴ "غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کی زیرِ بحث منقبت میں کیا تمام باتیں شرک و پرستش سے تعبیر ہیں یا بعض باتیں۔ دونوں صورتوں میں شرک و پرستش کی باتوں کی نشاندہی کریں اور اس کی وجہ بتلائیں"۔

جواب قطع نظر اس کے کہ خود لفظ "غوثِ اعظم" بھی اسی ضمن میں آتا ہے۔ ہم اس نظم کے شرکیہ الفاظ پہلے نقل کر آئے ہیں۔ اب ان کی نشاندہی کی ضرورت نہیں۔

ان کے شرک اور "پرستش" ہونے کی وجہ ظاہر ہے کہ اولیاء اللہ تو کجا انبیا علیہم السلام بھی مافوق الاسباب طریق پر کسی قسم کی طاقت نہیں رکھتے۔ اس لئے ان کو حاجت روا اور مشکل کشا سمجھ کر پکارنا شرک ہی کہلائے گا۔

سوال نمبر ۵ "الاعتصام" نے جن کرامات کو" ایسی سب کہانیاں بے ثبوت ہیں" کہہ کر انکار کیا ہے کہ زیرِ بحث منقبت میں مذکورہ سب کرامات بے ثبوت کہانیاں ہیں یا ان میں سے کچھ ثابت بھی ہیں تو کون کون سی کرامات ثابت ہیں"۔

جواب زیرِ بحث نظم میں شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی دراصل کرامت کوئی مذکور نہیں۔ بلکہ یہ سب من گھڑت قصے ہیں جنہیں "کرامات" کا عنوان دے دیا گیا ہے۔

"یا غوثِ اعظم" کا وظیفہ پڑھتے ہی تاجروں کا جہاز فوراً گرداب سے نکل آیا۔" "ایک وقت میں ستر ستر مریدوں کے ہاں گئے۔" "غوثِ اعظم" کا اشارہ پاتے ہی فوراً ابرِ باراں اہلِ محفل پر برسنا موقوف ہوگیا۔" "انہوںؒ نے کئی مُردوں کو زندہ کردیا۔" "فرشتے ان کو مدرسے تک پہنچانے کے لیے ساتھ جاتے تھے۔" "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں خلعت پہنائی۔" "یہ کراماتی قصے جو نظم میں بیان کئے گئے ہیں۔ سب خرافاتی قصے ہیں جن کا نہ کوئی سر پیر ہے نہ کوئی اصل اور ثبوت۔ اسی طرح کے اور بھی جتنے قصے یار لوگوں نے گھڑ رکھے ہیں۔ اسی قبیل کے ہیں جن پر قبوری شریعت کے وہی مجاوران و پرستاران سر دھنتے ہیں جن کے فکر و نظر میں اتنی کجی آچکی

ہے۔ شرک و توحید اور بدعت و سُنّت میں ان کے درمیان کوئی فرق نہیں رہا۔ جن کے نزدیک تمام بدعتیں عین دین ہیں۔ اور تمام مُشرکانہ افعال وعقائد کے باوجود جنہیں "موحد" ہونے کا فخر ہے۔

سوال نمبر ۶ "اگر یہ سب کرامات بے ثبوت کہانیاں ہیں تو ان کے نقل و بیان کرنے والوں کا کیا حکم ہے"

جواب جو جھوٹ اور شرک و بدعت پھیلانے والوں کا حکم ہے۔ کیوں کہ یہ کہانیاں جھوٹی ہونے کے علاوہ جاہل عوام میں شرک و بدعات کی بھی آبیاری کرتی ہیں۔

سوال نمبر ۷ کیا "غوث الاعظم" رضی اللہ عنہ صاحب کرامات کثیرہ ہیں یا نہیں۔ اگر ہیں تو آپ کی کتنی کرامات ثابت و مُستند ہیں اور کون کون سی بے ثبوت وضعی ہیں؟

جواب یہ تمام باتیں بچگانہ ہیں۔ اول تو کرامت ایسی لازمی اور ضروری چیز نہیں کہ جس کے بغیر ولایت ادھوری رہتی ہو یا جس سے کرامات کا ظہور زیادہ ہو وہ زیادہ ولی ہے۔ کرامت اور ولی میں سُورج اور روشنی کا سا تعلق نہیں ہے کہ سورج نکلے گا تو روشنی ہوگی۔ اور روشنی نہ ہونے کا مطلب سورج کا عدمِ وجود ہوگا۔ اسی طرح یہ سمجھنا کہ جو ولی ہوگا اس سے کرامت کا ظہور ہوگا اور جس سے کرامت (خرق عادت اُمور) ظاہر ہو وہ ضرور ولی ہوگا، غلط ہے۔ "ولایت" کے لئے "کرامت نہیں، اتباعِ شریعت ضروری ہے۔ اور "کرامت" دلیلِ ولایت نہیں، کسی شخص کا صرف نیک کردار و عمل ہی دلیلِ ولایت ہے۔ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اللہ کے ولی تھے۔ بلکہ ہزاروں لاکھوں شیخ عبدالقادر جیلانی رح جیسے جلیل القدر بزرگ اور ولی بھی ایک ادنیٰ ترین صحابی کے مقام ولایت کو نہیں پہنچ سکتے۔ حالانکہ ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کے متعلق ہمیں یہ کراماتی قصے کہانیاں نہیں ملتیں۔

اس لیے یہ سوال کہ "شیخ عبدالقادر جیلانی صاحب کراماتِ کثیرہ ہیں یا نہیں" اپنے اندر کوئی معقولیت نہیں رکھتا۔ اگر یہ سوال کیا جاتا کہ "وہ جلیل القدر بزرگ اور ولیٔ کامل تھے

یا نہیں"؛ تو ہمارا جواب اثبات میں ہوتا، گو ہم ان کی طرف منسوب کراماتی قصّے اکثر من گھڑت سمجھتے ہیں لیکن اس کے باوجود وہ ہمارے نزدیک خدارسیدہ بزرگ اور ولیٔ کامل تھے کیونکہ کرامات کے ظہور کو ہم ولایت کے لئے ضروری نہیں سمجھتے، البتہ ولایت کے لئے اتباعِ شریعت ضروری ہے اس کے بغیر کوئی شخص ولی نہیں ہو سکتا۔

جب ولایت کے لئے "کرامت" ضروری ہی نہیں تو اس بحث میں پڑنا کہ ان کی کون کون سی کرامات ثابت ہیں اور کون کون سی وضعی؟ یکسر بے فائدہ ہے۔ ویسے ایک موٹا سا اصُول بیان کئے دیتے ہیں کہ ان کی زندگی میں اگر کوئی کرامت ظاہر ہوئی ہے اور اس کا صحیح ثبوت موجود ہے اور وہ عقل وفہم کے تقاضوں اور اصولِ شریعت سے بھی متصادم نہیں ہے تو اس کرامت کو تسلیم کیا جا سکتا ہے۔ لیکن ان کی وفات کے بعد سے متعلقہ تمام "کرامات" وضعی اور بے ثبوت ہیں۔ کیونکہ مرنے کے بعد ان کا اس دنیا سے ہر قسم کا تعلق ہی منقطع ہو گیا۔ اس لئے مرنے کے بعد ان کے "تصرّفات" کا عقیدہ رکھ کر انہیں "کرامات" باور کرانا شریعتِ اسلامیہ کی رُو سے یکسر غلط ہے بلکہ ایسی "کرامات" پر اعتقاد رکھنا از قبیل شرک ہے۔

سوال نمبر ۸ "بے ثبوت کہانیوں اور با ثبوت کرامات جاننے کے لئے کون سی کتب مستند اور کونسا اصول وضابطہ مقرر ہے؟"

جواب وہ اصول وضابطہ وہی ہے جن کا ابھی ہم نے ذکر کیا ہے

سوال نمبر ۹ "بہجۃ الآثار، قلائد الجواہر، اخبار الاخیار، نزہۃ الخاطر جیسی کتب مشہورہ اور ان کے مصنّفین حجت ومعتبر ہیں یا نہیں؟"

جواب یہ کتابیں رَطب ویابس کا مجموعہ ہیں اور ان کے مصنّفین بھی حاطب اللیل قسم کے ہیں۔ اس لیے نہ یہ کتابیں معتبر وحجت ہیں نہ ان کے مؤلفین۔

ان میں درج شدہ واقعات وروایات صرف ان... مطابق قابل قبول ہوں گی جس کا

ہم نے ذکر کیا ہے۔

سوال نمبر ۱ "کیا بریلوی اہلِ سُنّت اہلِ قبلہ مسلمان ہیں یا آپ کے بقول غلو کی انتہا، گور پرستی و شرکِ صریح کے باعث (معاذ اللہ) دائرہِ اسلام سے واقعی خارج ہیں؟"

جواب اس بحث کو بے ضرورت سمجھتے ہوئے کہ آپ "اہلِ سنّت" کے مصداق بھی ہیں یا نہیں؟ ہم سرِدست آپ کے سوال تک ہی جواب کو محدود رکھتے ہیں۔

ہاں! تو سُنئے محترم! آپ حضرات کے جو عقائد ہیں اس کی رُو سے آپ کیا ہیں؟ اس کا جواب ہم اپنی طرف سے دینے کے بجائے خود آپ کے فقہائے حنفیہ کی تصریحات سے دیتے ہیں۔ حوالے غلط ہوں تو ضرور ہماری گرفت کیجئے۔ ورنہ ایں و آں کرنے اور صغریٰ کبریٰ بنا کر یہ کہنے سے کوئی فائدہ نہیں کہ اہلِ حدیثوں نے ہمیں یہ بنا دیا ہے اور وہ بنا دیا ہے۔ خدا گواہ ہے ہمیں آپ کو دائرہ اسلام سے خارج کرنے سے ہرگز دلچسپی نہیں لیکن مشکل تو یہ ہے کہ جس فقہ حنفی پر آپ ایمان رکھتے ہیں اس کے اکابر آپ کے عقائد کے حامل افراد پر "کفر" کا فتوےٰ صادر کر رہے ہیں لیجئے ملاحظہ فرمائیں۔

۱۔ ملّا علی قاری حنفی امام ابُوحنیفہ کی مدوّن کتاب "فقہ اکبر" کی شرح میں لکھتے ہیں:۔

ذکر الحنفیۃ تصریحًا بالتکفیر باعتقاد ان النبیّ علیہ الصلوٰۃ والسلام یعلم الغیب لمعارضۃ قولہ تعالیٰ قل لا یعلم من فی السموات والارض الغیب الا اللہ (شرح فقہ اکبر ص ۱۸۵، طبع مجتبائی دہلی)

"فقہائے حنفیہ نے صراحتًا کہا ہے کہ جو شخص یہ اعتقاد رکھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم عالم الغیب تھے وہ کافر ہے۔ کیونکہ یہ عقیدہ اللہ تعالےٰ کے اس قول کے مُعارض ہے کہ "اللہ کے سوا آسمان و زمین میں کوئی بھی غیب کا علم نہیں

رکھتا"

اب آپ خود سوچ لیجئے کہ آپ نے تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی نہیں ہر چھوٹے بڑے ولی بلکہ ننگ دھڑنگ ملنگوں کو بھی عالم الغیب سمجھ رکھا ہے۔

فقہ حنفی کی مشہور کتاب "فتاویٰ قاضی خاں" کی صراحت بھی سُن لیجئے۔

رجل تزوج بغیر شہود فقال الرجل والمرأۃ خدا درسول را گواہ کردیم۔

قالوا یکون کفراً لانہ اعتقد ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعلم الغیب وھو ما کان یعلم الغیب حین کان فی الاحیا فکیف بعد الموت (ج ۴، باب مایکون کفرا من المسلم وما لا یکون)

"جس شخص نے بغیر گواہوں کے نکاح کیا، اور مرد و عورت نے کہا کہ "ہم خدا اور رسولؐ کو گواہ بناتے ہیں" فقہائے حنفیہ کہتے ہیں ایسا کہنا کفر ہے کیونکہ اس نے یہ اعتقاد کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (اللہ تعالےٰ کی طرح) عالم الغیب ہیں حالانکہ جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندگی میں غیب نہ جانتے تھے تو بعد الموت کیونکر جانتے ہوں گے"

اسی قسم کی تصریحات بحر الرائق شرح کنز الدقائق وغیرہ میں بھی ہیں۔

۳۔ ایک عقیدہ آپ لوگوں کا یہ بھی ہے کہ غیر اللہ کے نام کی نذریں دینا آپ مانتے ہیں، ان کے نام کی نیازیں دیتے ہیں، ان کی قبروں پر چڑھاوے چڑھاتے ہیں۔ اور ان کے نام کے جانور ذبح کرتے ہیں حالانکہ فقہ حنفی نے اس فعل کو بھی ناجائز بلکہ کفر کہا ہے۔ چنانچہ ردّ المحتار شرح دُرِّ مختار (ج ۲، ص ۱۳۱، طبع مصر) میں ہے۔

والنذر للمخلوق لا یجوز لانہ عبادۃ والعبادۃ لا تکون لمخلوق۔

"نذر مخلوق کے لئے ماننا جائز نہیں، اس لیے کہ یہ (نذر) عبادت ہے اور عبادت مخلوق کے لئے جائز نہیں"

آگے نذر لمخلوق کی حرمت کے دلائل دیتے ہوئے علامہ شامی لکھتے ہیں۔

ومنھا انه ان ظن ان المیت یتصرف فی الامور دون اللہ تعالیٰ واعتقادہ ذلك کفر۔

یعنی" خدا کے سوا اوروں کے لئے نذر نیاز کے حرام اور باطل ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ جس کے لئے نذر مانی گئی ہے اگر اسے کائنات میں تصرف کرنے کا اہل سمجھ کر ایسا کیا گیا ہے تو یہ عقیدہ کفر ہے"

اب آپ خود سوچ لیں کہ آپ لوگ جو بزرگوں کے نام کی نذریں نیازیں دیتے ہیں، " گیارہویں شریف" کرتے ہیں اور ان کے نام کے جانور ذبح کرتے ہیں تو یہ سب کچھ انہیں متصرف فی الامور سمجھ کر کرتے ہیں یا نہیں؟ یقیناً آپ عقیدتاً انہیں کائنات میں تصرف کرنے والے سمجھ کر ہی ایسا کرتے ہیں حالانکہ خود فقہ حنفی اس عقیدے کو" کفر" سے تعبیر کر رہی ہے۔ اسی سلسلے میں ایک اور حوالہ اپنی فقہ کا ملاحظہ فرمالیں۔

مایفعله الجھلة من الذبح علی قبور المشائخ والشھداء وغیرھم فھذا یوجب الحرمة اذا کان لغیر اللہ وان ذکروا اسم اللہ علیه ویکفّرون بذلك (فتاویٰ غرائب فی تحقیق المذاھب)

" جو جاہل لوگ مشائخ اور شہداء کی قبروں پر (چڑھاوے) کے جانور ذبح کرتے ہیں وہ جانور حرام ہو جاتا ہے اگرچہ اللہ کا نام لے کر ہی ذبح کیا جائے۔ اور ایسا کرنے والوں کو کافر کہا گیا ہے"

۳۔ بزرگوں کی قبروں کے ساتھ فرقۂ بریلویہ وہ سب کچھ کرتا ہے جس سے شریعت نے بڑی سختی سے روکا ہے۔ حتیٰ کہ ان کی قبروں پر سجدے تک کئے جاتے ہیں۔ حالانکہ فقہ حنفی نے اسے بھی کفر سے تعبیر کیا ہے چنانچہ حنفی مذہب کی معتبر کتاب کفایہ میں ہے۔

اما فی شریعتنا فلا یجوز لاحد ان یسجد لاحد بوجه

من الوجوه ومن فعل ذلك فقد كفر۔

"ہماری شریعت اسلامیہ میں یہ قطعاً جائز نہیں ہے کہ کوئی کسی کو خدا کے سوا کسی طرح کا بھی سجدہ کرے اور جو ایسا کرے وہ کافر ہے"

محترم مُدیر "رضائے مصطفےٰ" صاحب! ہم آپ پر کوئی فتویٰ نہیں لگاتے۔ البتہ ہم نے یہ ضرور کیا ہے کہ آپ کا اپنا آئینہ یعنی فقہائے حنفیہ کے ارشادات آپ کے سامنے رکھ دیئے ہیں تاکہ اس میں اپنا چہرہ دیکھ کر اپنے متعلق خود ہی فیصلہ کر لیں۔ دیکھئے! غصے میں آکر اس آئینے کو نہ پھینکیے گا، یہ "وہابی" کے فتویٰ نہیں، بلکہ جس فقہ پر آپ کے فتاویٰ کا دارومدار ہے۔ اس کی تصریحات ہیں۔

مُدیر "رضائے مصطفےٰ" کی بے حواسی

سوالات کے آخر میں مُدیر "رضائے مصطفےٰ" بڑے طنطنے اور ہمہمے سے لکھتا ہے۔

"الاعتصام والو۔ اگر سچے ہو تو ان گیارہ سوالات کا نمبروار معقول مدلّل جواب جلد شائع کرو۔ دیکھنا کہیں گیارہویں شریف کے عدد ہی سے بے حواس نہ ہو جانا"

ہم نے الحمد للہ "رضائے مصطفےٰ" کی خواہش کے مطابق نمبروار ہر سوال کا مدلّل جواب دے دیا ہے لیکن "رضائے مصطفےٰ" کے جناب مدیر کی اس بے حواسی پر ہمیں بڑا ترس آرہا ہے کہ "الاعتصام" کے تصوّر ہی سے ایسا حواس باختہ ہوئے ہیں کہ سوالات تو جناب نے دس کئے ہیں اور بے چارے ڈرا رہے ہیں ہمیں گیارہ کے عدد سے۔ محترم گیارہویں کے عدد سے ہم حواس باختہ ہونے والے نہیں۔ حواس باختہ تو آپ خود ہو رہے ہیں کہ لکھے دس سوال ہیں اور کہہ یہ رہے ہیں کہ ہم نے گیارہ سوال کئے ہیں۔ ذرا اپنے سوالات دوبارہ ملاحظہ فرما لیں کہ وہ دس ہیں یا گیارہ؟

محترم، مدیر صاحب! ہمارے "خدائے واحد" کے تصرفات بھی دیکھئے کہ چلے تو آپ تھے گیارہ سوال کر کے "گیارہویں شریف" ثابت کرنے۔ لیکن وہ "دہچہ" ہی رہ گئی

اور دیکھئے! سوال نمبر ۴ کے بعد سوال نمبر ۵ غائب ہے۔ گویا آپ کے "پنجتن پاک" بھی گئے۔ فسبحان من له الخلق والامر۔ اب تو مان لیجئے کہ خدائے واحد کے سوا کوئی حاجت روا، مشکل کشا اور متصرف فی الامور نہیں۔

وما علینا الا البلاغ المبین

(ہفت روزہ "الاعتصام" لاہور۔ جولائی۔ اگست ۱۹۷۳ء)

بزرگانِ دین کی قبروں پر میلوں ٹھیلوں کا اہتمام

شریعت اسلامیہ کی نظر میں

پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اُمت کو جتنی تاکید کے ساتھ شرکیہ اُمور سے مجتنب رہنے کی ہدایت فرمائی تھی۔ افسوس ہے آپ کی یہ نام لیوا اُمت اسی قدر مشرکانہ عقائد و اعمال میں مبتلا ہے اور اپنے پیغمبر کی تمام ہدایات کو فراموش کر چکی ہے۔ آپ نے واضح الفاظ میں فرما دیا تھا۔ اَلَا وَاِنَّ مَنْ کَانَ قَبْلَکُمْ کَانُوْا یَتَّخِذُوْنَ قُبُوْرَ اَنْبِیَاءِ هِمْ وَصَالِحِیْهِمْ مَسَاجِدَ اَلَا فَلَا تَتَّخِذُوا الْقُبُوْرَ مَسَاجِدَ اِنِّیْ اَنْهَاکُمْ عَنْ ذٰلِکَ (صحیح مسلم۔ ج ۱۔ ص ۲۰۱)

"لوگو! کان کھول کر سُن لو، تم سے پہلی اُمت کے لوگوں نے اپنے انبیاء اور نیک لوگوں اولیاء و صالحین کی قبروں کو عبادت گاہ (مساجد) بنا لیا تھا، خبردار! تم نہ (ان کی طرح) قبروں کو مساجد (عبادت گاہ) بنا لینا، میں تم کو اس سے روکتا ہوں"

آپ نے مرض الموت میں یہود و نصاریٰ کے اس مشرکانہ عمل پر لعنت فرمائی جس سے مقصد اپنی امت کو اس عمل سے بچانا تھا۔ فرمایا۔ لَعَنَ اللّٰهُ الْیَهُوْدَ وَالنَّصَارٰی اتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِیَاءِ هِمْ مَسَاجِدَ (حوالۂ مذکور)

"اللہ تعالےٰ یہود و نصاریٰ پر لعنت فرمائے کہ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو عبادت گاہ بنا لیا۔"

ایک اور روایت میں فرمایا۔ اِشْتَدَّ غَضَبُ اللّٰهِ عَلٰی قَوْمٍ اتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِیَاءِ هِمْ مَسَاجِدَ (مسند احمد، جلد ۱۳، صفحہ ۸۷)

"اس قوم (یعنی یہود و نصاریٰ پر) اللہ تعالیٰ کا سخت غضب نازل ہوا جس نے اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا"

اسی طرح آپؐ نے اُمتِ مسلمہ کو خود اپنے بارے میں غلوّ کرنے سے روکا کیوں کہ یہ غلوِ عقیدت ہی مشرکانہ عقائد و اعمال کا باعث ہوتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا یَا اَیُّھَا النَّاس ۔ ۔ ۔ ۔ اَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِاللّٰہِ وَرَسُوْلُہٗ وَاللّٰہِ مَا اُحِبُّ اَنْ تَرْفَعُوْنِیْ فَوْقَ مَا رَفَعَنِیَ اللّٰہُ (مسند احمد ۔ عن انس ۔ البدایۃ والنہایۃ ج۵ ص۲۹۵) "لوگو! میں عبداللہ کا بیٹا محمدؐ ہوں ۔ اور اللہ کا رسول ہوں ۔ بخدا مجھے ہرگز یہ پسند نہیں کہ مجھے اُس درجے سے بڑھاؤ جس پر مجھ کو اللہ تعالیٰ نے سرفراز فرمایا ہے" یعنی نبوّت و رسالت کے مقام سے بھی بڑھانے لگ جاؤ۔

ایک اور روایت میں آپؐ نے فرمایا لَا تُطْرُوْنِیْ کَمَا اَطْرَتِ النَّصَارٰی ابْنَ مَرْیَمَ فَاِنَّمَا اَنَا عَبْدُہٗ فَقُوْلُوْا عَبْدُاللّٰہِ وَرَسُوْلُہٗ ۔ متفق علیہ (مشکوٰۃ ۔ باب المفاخرۃ والعصبیۃ ۔ ص ۴۱۶) "میری عزّت و توقیر میں اس طرح مبالغہ اور غلوّ نہ کرنا جس طرح عیسائیوں نے مسیح ابن مریم کے ساتھ کیا۔ میں تو صرف اُس کا بندہ ہوں، اس لیے مجھے صرف اللہ کا بندہ اور اُس کا رسول ہی کہنا" (خدائی صفات و اختیارات سے مجھے متّصف نہ کر دینا)

سولانا حالیؔ نے اس حدیثِ رسولؐ کو یوں اُردو کا جامہ پہنایا ہے ؎

نہ تربت کو میری بنانا صنم تم ! ۔۔۔ نہ کرنا میری قبر پہ سر کو خم تم
نہیں بندہ ہونے میں کچھ مجھ سے کم تم ۔۔۔ کہ بے چارگی میں برابر ہیں ہم تم

مجھے دی ہے حق نے بس اتنی بزرگی
کہ بندہ بھی ہوں اس کا اور ایلچی بھی

اپنی قبر کے متعلق بھی آپؐ نے اپنی اُمت کو تنبیہ فرمائی ۔ لَا تَجْعَلُوْا قَبْرِیْ

عِیْداً (ابوداؤد) "میری قبر کو عید مت بنانا" یعنی "زیارت کے لئے اجتماع نہ کرنا جیسے "عید" پر اجتماع کرتے ہو" (عون المعبود۔ ج ۲ ص ۱۷۱) شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:۔

ھٰذا اشارة الی سدّ مدخل التحریف کما فعل الیھود والنصاریٰ بقبور انبیاءھم وجعلوھا عیداً وموسمًا بمنزلة الحج (حجة اللہ البالغة ج ۲۔ ص ۷۷ طبع مصر)

یعنی "اس فرمان سے دین میں تحریف کے دروازے کو بند کرنا مطلوب ہے کہ یہ اُمّت بھی یہود ونصاریٰ کی طرح اپنے بزرگوں کی قبروں کو حج کی طرح موسم اور عید ہی نہ بنا ڈالے"

علاوہ ازیں آپؐ نے بارگاہِ ایزدی میں دُعاء فرمائی۔ اَللّٰھُمَّ لَاتَجْعَلْ قَبْرِیْ وَثَنًا یُّعْبَدُ (مسند احمد، ج ۱۲ ص ۸۷ طبع ثانی مصر) "اے اللہ! میری قبر کو "وثن" (بُت) بننے سے بچائیو، (کہ اس کی پرستش کی جائے)

معلوم ہوا کسی قبر کو خاص قابلِ تعظیم سمجھنا، اسے پتھر کی مورتیوں کی طرح بُت بنانا اور سمجھنا ہے۔ چنانچہ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں۔

وقول النبیّ صلّی اللہ علیہ وسلّم اللّھمّ لاتجعل۔ الخ دلیل علیٰ ان القبور قد تجعل اوثانا وھو صلّی اللہ علیہ وسلّم خاف من ذلك فدعا اللہ ان لا یفعلہ بقبرہٖ واستجاب اللہ دعاءہ رغم انف المشرکین الضالّین الذین یشبھون قبر غیرہ بقبرہ (کتاب الرد علی الاخنائی علی ھامش "الرد علی البکری"۔ ص ۲۲۴)

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مذکورہ دُعا، اس بات پر دلیل ہے کہ قبریں بھی اوثان (بُت)

بن جاتی ہیں۔ اسی لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس بات سے ڈر گئے تھے کہ کہیں میری قبر بھی بُت نہ بن جائے اور آپؐ نے اللہ سے دعاء کی کہ میری قبر کے ساتھ ایسا نہ ہو اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعاء کو قبول فرمالیا۔۔۔۔

ایک اور مقام پر امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں

وهم دفنوه صلى الله عليه وسلم في حجرة عائشة رضي الله عنها خلاف ما اعتادوه من الدفن في الصحراء لئلا يصلي احد عند قبره ويتخذه مسجدا فيتخذ قبره وثنا (العقود الدرية - ص ۳۳۸) یعنی "آپؐ کو خلافِ معمول کسی کھلی جگہ میں دفن کرنے کے بجائے حضرت عائشہؓ کے حجرے (چار دیواری) میں اسی لئے دفن کیا گیا تاکہ کوئی شخص آکر وہاں نماز اور عبادت کا اہتمام نہ کرے کہ اس طرح آپؐ کی قبر "وثن" (بُت) بن جاتی۔"

خود حضرت عائشہؓ بھی فرماتی ہیں۔

لولا ذلك لابرز قبره غير انه خشي ان يتخذ مسجداً (صحیح مسلم، ج ۱۔ ص ۲۰۱) "اگر یہ خطرہ نہ ہوتا کہ آپ کی قبر کو عبادت گاہ (مسجد) بنا لیا جائے گا، تو آپؐ کی قبر (چار دیواری کے بجائے) کسی کھلے مقام پر بنائی جاتی۔"

اسی طرح آپؐ نے تین مقامات کے علاوہ کسی بھی مقام کے لئے تقربی سفر کی اجازت نہیں دی ہے اور واضح الفاظ میں اس کی ممانعت فرمادی ہے۔ لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ اِلَّا اِلٰی ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ (صحیحین) تین مسجدوں (بیت اللہ، بیت المقدس اور مسجد نبویؐ) کے سوا کسی بھی جگہ کی طرف سفر (برائے ثواب و تقرب الٰہی) نہ کیا جائے" ــــــ اس امتناعی حکم کے ذریعے سے آپؐ نے کسی بھی قبر کی طرف

بقصدِ تعظیم وزیارت جانے سے منع فرمادیا ہے جس طرح کہ زمانۂ جاہلیت میں عرب مشرکین کے ہاں رواج تھا جیسا کہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں ۔

کان اھل الجاھلیۃ یقصدون مواضع معظمۃ بزعمھم ویزورونھا ویتبرکون بھا وفیہ من التحریف والفساد مالا یخفی فسدّ النبیّ صلی اللہ علیہ وسلّم الفساد لئلا یلتحق غیر الشعائر بالشعائر ولئلا یصیر ذریعۃ لعبادۃ غیر اللہ والحق عندی ان القبر ومحل عبادۃ ولی من اولیاء اللہ والطور کل ذلک سواء فی النھی ۔

(حجۃ اللہ البالغۃ ۔ج ۱۔ ص ۱۹۲)

یعنی " زمانۂ جاہلیت میں لوگ ایسے مقامات پر جاتے تھے ۔ جو ان کے گمان میں بڑے بابرکت ہوتے تھے ۔ ان کی تعظیم وزیارت اور حصولِ برکت کے لئے جاتے ۔ اس میں چونکہ عبادتِ غیر اللہ کا دروازہ کھلتا ہے ۔ اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بگاڑ کی اس جڑ کو (حکماً) بند کردیا ۔ اور میرے نزدیک قبریں بھی اس میں داخل ہیں کہ ان کی طرف قصد کرکے تقربی سفر کیا جائے "۔

دوسری جگہ شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں :۔

کل من ذھب الی بلدۃ اجمیر او قبر سالار مسعود او ماضاھاھا لاجل حاجۃ یطلبھا فانہ اثم اثما اکبر من القتل والزنا الیس مثلہ الا مثل من کان یعبد المصنوعات او مثل من کان یدعوا اللات والعزّٰی (التفہیمات الالہیۃ ، ج ۲۔ ص ۴۹ طبع

جدید یا حیدر آباد۔ سندھ) یعنی" جو شخص بھی شہر اجمیر (خواجہ معین الدین اجمیری کی قبر پہ) یا سالار مسعود اور ان جیسے دیگر بزرگوں کی قبروں پر طلب حاجت کی غرض سے جاتا ہے وہ ایسے سخت گناہ کا ارتکاب کرتا ہے جو قتل اور زنا سے بھی بڑھ کر ہے اور ایسا شخص ان ہی لوگوں کی طرح ہے جو اللہ کی پیدا کردہ چیزوں کی پرستش کرتے ہیں یا اُن کی طرح جو لات و عُزیٰ کو حاجت برآری کے لئے پکارتے ہیں "

اِن احادیث اور فرمودات اکابر سے معلوم ہوا کہ بزرگوں کی قبروں کو قابلِ تعظیم سمجھنا، ان کی قبروں پر سالانہ میلے لگانا، قبروں پر حصولِ برکت اور زیارت کی غرض سے جانا، اہلِ قبور سے استمداد و استعانت کرنا، قبروں کا طواف کرنا اور انہیں عبادت گاہ بنانا، ان کے لیے تقرّبی سفر اختیار کرنا یہ سب اُمور مشرکانہ ہیں جو ہمیشہ مشرک قوموں کا شعار رہے جس پر وہ اللہ تعالےٰ کے غضب اور لعنت کی مستحق قرار پائیں، اور ان سب اُمور سے آں حضرت صلّی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں پوری سختی سے روکا ہے لیکن کتنے افسوس کا مقام ہے کہ ہم آں حضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی ان واضح تصریحات کے برعکس ان تمام مشرکانہ اُمور میں بُری طرح مبتلا ہیں۔

- ہم یعنی مسلمان بزرگوں کی طرف منسوب سچّی یا فرضی قبروں کو اس لیے قابلِ تعظیم سمجھتے ہیں کہ ہمارے زعم میں وہ ان قبروں میں زندہ ہیں اور نفع نقصان اور لینے دینے پر قادر ہیں۔
- ہم نے ان کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا ہے۔ قبروں کو تعظیم و عقیدت سے چومتے ہیں۔ ان کے آگے ماتھا تک ٹیکنے میں کوئی تأمل نہیں کرتے اور ان سے حاجات طلب کرتے ہیں۔
- ان کی قبروں پر سالانہ میلے ٹھیلے لگاتے ہیں، ہر جمعرات کو قبروں پر جمع ہوتے ہیں اور وہاں چڑھاوے چڑھاتے ہیں۔

ان قبروں کی زیارت کی غرض سے دُور دراز کے سفر کر کے پاکپتن "داتا دربار" میاں میر اور دیگر قبروں پر حاضری دیتے ہیں۔

علماء سُو تو ان اُمور کی سرپرستی کر ہی رہے ہیں لیکن افسوس کہ اس کے ساتھ ارباب حکومت بھی اس کی سرپرستی کر رہے ہیں۔ تمام بڑی بڑی قبریں، جن کو غلط طور سے "مزارات" کہا جاتا ہے۔ اوقاف کی زیرِ تحویل ہیں، حکومت کو چاہیئے تھا کہ اپنے قبضے میں لینے کے بعد ان تمام قبروں کو شریعت اسلامیہ کے حکم کے مطابق ڈھا کر باقی عام قبروں کے برابر کر دیتی اور ان کی تعظیم و پرستش کے راستے بند کر کے عوام کو توحید کی حقیقت سے روشناس کراتی۔ مگر افسوس حکومت نے اپنا یہ فرض ادا نہیں کیا اور بگڑے ہوئے عوام کو مزید توہمات میں اُلجھانے کے لئے شرک کی سرپرستی شروع کر دی۔ اب فریاد کریں بھی تو کس سے کریں، مولانا حالیؔ نے مسلمانوں کی اس حالت کا کیا خوب نقشہ کھینچا ہے کاش ہم اس سے عبرت پکڑیں۔

کرے غیر گر بت کی پُوجا تو کافر　　جو ٹھہرائے بیٹا خدا کا تو کافر
جھکے آگ پر بہرِ سجدہ تو کافر　　کواکب میں مانے کرشمہ تو کافر
مگر مومنوں پر کشادہ ہیں راہیں
پرستش کریں شوق سے جس کی چاہیں

نبی کو جو چاہیں خدا کر دکھائیں!　　اماموں کا رُتبہ نبی سے بڑھائیں
مزاروں پہ دن رات نذریں چڑھائیں　　شہیدوں سے جا جا کے مانگیں دعائیں
نہ توحید میں کچھ خلل اس سے آئے
نہ اسلام بگڑے نہ ایمان جائے

("الاعتصام" ۴ فروری ۱۹۷۵ء)

قبروں میں مدفون بزرگ اور حضرت شاہ ولی اللہؒ

ماہنامہ "الزکوٰۃ" کے ایک مضمون پر سرسری نظر

مرکزی زکوٰۃ انتظامیہ اسلام آباد کے آرگن ماہنامہ "الزکوٰۃ" (شمارہ فروری ۱۹۸۳ء) میں "حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی مختصر سوانح حیات اور ان کے روحانی علوم مرتبت" پر ایک مضمون ادارے کی طرف سے شائع ہوا ہے۔

لیکن افسوس ہے کہ اس مضمون میں قرآن و حدیث کی واضح تصریحات کے برعکس قبروں کے مدفون اولیاء اللہ کے بارے میں یہ کہا گیا ہے کہ وہ قبروں میں زندوں کی طرح تصرف کرتے ہیں، نظم کائنات میں دخل دیتے ہیں اور ان کی ارواح کا فیضان ان لوگوں پر ہوتا ہے جو ان کی قبروں کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ اس لیے مشائخ کے "عرسوں" کا قیام، ان کے "مزاروں" کی پابندی سے زیارت کرنا، ان کی ارواح کے نام سے صدقہ دینا، ان کے آثار و تبرکات، ان کی اولاد اور ان کے متعلقین کی تعظیم و تکریم میں پورا اہتمام کرنا یہ سب ضروری امور ہیں (خلاصہ صفحات ۱۰۔۱۱)

اور یہ سب باتیں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی کتاب "ہمعات" کے حوالے سے کہی گئی ہیں۔ نہ قرآن کی کوئی آیت پیش کی گئی۔ نہ کوئی حدیث کا حوالہ دیا گیا اور نہ صحابہؓ و تابعینؒ کا تعامل درج کیا گیا ہے۔ بلاشبہ شاہ ولی اللہؒ اپنے دور کے ایک عظیم مصلح، ایک بڑے صوفی، ممتاز فقیہ اور عبقری شخصیت تھے لیکن تھے وہ بہرحال غیر معصوم اور خطا و نسیان کی صفت سے متصف۔ انہوں نے جہاں

"حجۃ اللہ البالغہ"، "الفوز الکبیر"، "البلاغ المبین[1]"، جیسی بے مثال اور انتہائی مفید کتابیں اپنی علمی یادگاریں چھوڑی ہیں۔ جن سے اسلامی لٹریچر کی علمی ثروت میں اضافہ ہوا ہے۔ وہاں دوسری طرف اپنے زندگی کے کسی دور میں اُنہوں نے "ہمعات" وغیرہ جیسی کتابیں بھی لکھی ہیں جن سے اُمورِ شرکیہ و بدعیہ کی تائید ہوتی ہے۔ یوں ان کے افکار و تحریرات میں تضاد و تناقص کی شکل پائی جاتی ہے۔

جب واقعہ یہ ہے کہ ایک تو وہ معصوم عن الخطاء نہیں۔ دُوسرے، ان کی اس کے برعکس تصریحات بھی موجود ہیں۔ تو ظاہر بات ہے کہ ان کی ہر بات آنکھیں بند کر کے قبول نہیں کی جاسکتی۔ اصولاً انہیں پرکھنا اور جانچنا چاہیئے۔ اور جو بات قرآن و حدیث اور تعاملِ صحابہؓ کے مطابق ہو، اُسے قبول کیا جائے۔ اور دیگر باتوں کو کسی دور کی یا ازقبیل شطحیات سمجھ کر نظر انداز کر دیا جائے۔

یہ ایک ایسی بنیادی بات ہے جس سے کسی کو مجالِ انکار نہیں ہونا چاہیئے اور لُطف یہ ہے کہ خود حضرت شاہ صاحب نے بھی اپنے افکار کے بارے میں یہ صراحت کی ہے کہ میرے قلم سے قرآن و حدیث، اجماع قرونِ ثلاثہ مُبارکہ اور جمہُور مجتہدین کے خلاف جو کچھ ضبطِ تحریر میں آیا ہے اُس سے میں اپنی براءت کا اعلان کرتا ہوں۔ چنانچہ موصوف حُجۃ اللہ البالغہ کے مقدمے میں بڑے واشگاف الفاظ میں لکھتے ہیں۔

وھا انا بریٔ من کل مقالۃ صدرت مخالفۃ لآیۃ من کتاب اللہ او سنۃ قائمۃ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] شاہ صاحب کی طرف اس کی نسبت میں شکوک ظاہر کیے جا رہے ہیں لیکن ذکر اس میں حضرت شاہ صاحبؒ ہی کی ہے جیسا کہ آپ کی مستند تالیفات سے ظاہر ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں ایک جگہ ان کی تالیفات میں اس کا ذکر بھی ہے (تفصیل کے لئے دیکھئے مقدمہ "اتحاد النبیہ" بہ تحقیق از مولانا محمد عطاء اللہ حنیف۔

او اجماع القرون المشهود لها بالخير اوما اختاره جمہور المجتہدین ومعظم سواد المسلمین فان وقع شئ من ذلك فانه خطأ رحم الله تعالیٰ من ایقظنا من سنتنا او نبّهنا من غفلتنا (ص ۱۰۔۱۱، جلد اوّل طبع منیریہ ۔ مصر)

"میں اپنی ہر اُس بات سے اظہار براءت کرتا ہوں جو کتاب اللہ، سُنّت صحیحہ اور دورِ خیر القرون (صحابہؓ و تابعینؒ) کے اجماع، جمہور مجتہدین ۔ سوادِ مسلمین کے خلاف ہو۔ اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرمائے جو ہماری غفلتوں پر ہمیں بیدار اور خبردار کردے"

اور "المقالۃ الوصیۃ فی النصیحۃ والوصیّۃ" میں سب سے پہلی وصیّت انہوں نے یہ بیان کی ہے۔

اوّل وصیّت :۔ این فقیر چنگ زدن است بکتاب وسُنّت در اعتقاد وعمل وپیوستہ بتدبیر ہر دو مشغول شدن وہر روز حصّہ از ہر دو خواندن واگر طاقت خواندن ندارد، ترجمۂ ورقے از ہر دو شنیدن ۔ و در عقائد مذہب قدمائے اہل سنّت اختیار کردن واز تفصیل وتفتیش آنچہ سلف تفتیش نہ کردند۔ اعراض نمودن وبہ تشکیکات خام معقولیان التفات نہ کردن و در فروع پیروی علمائے محدّثین کبار کہ جامع باشند میان فقہ وحدیث کردن ودائما تفریعات فقہیہ را بر کتاب وسُنّت عرض نمودن آنچہ موافق باشد در حیز قبول آوردن والّا کالائے بد بریش خاوند دادن امت را ہیچ وقت از عرض مجتہدات بر کتاب وسُنّت استغناء حاصل نیست وسخن متقشفہ فقہاء کہ تقلید عالمے را دست آویز ساختہ تتبع سُنّت را ترک کردہ اند نشنیدن وبدیشاں التفات نہ کردن وقربت خدا جستن بدوری اینان (وصیّت نامہ ص ۲۔۳ طبع مجتبائی دہلی)

" اس فقیر کی پہلی وصیت یہ ہے کہ اعتقاد اور عمل دونوں میں کتاب و سنت کو نہایت مضبوطی سے پکڑا جائے اور ان میں تدبّر برابر جاری رکھا جائے اور اگر عربی نہ جاننے کی وجہ سے خود نہ پڑھ سکتا ہو تو کسی دوسرے سے کم از کم ایک ورق دونوں کا ترجمہ ہی سُن لیا کرے اور عقائد میں قدمائے اہلِ سُنّت کا مسلک اختیار کیا جائے اور سلف نے جس چیز کی کھود کرید نہیں کی اُس کے پیچھے نہ پڑا جائے اور معقولیانِ خام جو شبہات پیدا کرتے ہیں ان کی طرف مطلق توجّہ نہ کی جائے۔ اور فروع فقہ میں ان علمائے محدّثین کی پیروی کی جائے جو حدیث اور فقہ کے جامع ہوں اور ہمیشہ فقہی تخریجات کو کتاب و سُنّت پر ضرور پیش کیا جائے۔ پھر جو اس کے موافق ہو، اس کو قبول کیا جائے۔ ورنہ کالائے بد بریشِ خاوند والا معاملہ کیا جائے۔ اور یہ یاد رکھا جائے کہ اُمّت کسی وقت بھی مجتہداتِ فقہاء (فقہاء کے اجتہادی مسائل) کو کتاب و سنّت کو جانچنے سے مستغنی اور بے نیاز نہیں ہو سکتی۔ اور ایسے مُتقشّف فقیہ جو کسی عالم کی بات کو دستاویز بنا کر سُنّت کے تتبّع سے بے پروا ہو گئے ہیں۔ اُن کی بات تک نہ سُنی جائے۔ اور ان کی طرف کسی قسم کا التفات نہ کیا جائے۔ بلکہ اُن سے دُور رہ کر خدا کی خوشنودی اور اس کا تقرّب حاصل کیا جائے۔"

اور اسی طرح اپنی مختلف کتابوں (حجۃ اللہ، الانصاف، عقد الجید، التفہیمات، القول الجمیل اور فیوض الحرمین وغیرہ) میں اُمّت کے مابہ الاختلاف فقہی مسائل کا حل انہوں نے یہ بیان کیا ہے کہ ان فقہی اختلافات کو ظواہر قرآن و حدیث پر پیش کیا جائے جو ان کے موافق ہوں اُنہیں اپنا لیا جائے۔ اور خلافِ قرآن و حدیث مسائل کو ترک کر دیا جائے۔

شاہ ولی اللہ کے اس بنیادی اصُول کی روشنی میں اب دیکھنا چاہیے کہ شاہ صاحب کی مختلف بلکہ بظاہر متضاد عبارتوں میں ان کے اپنے معیار اور قرآن وحدیث

کے لحاظ سے صحیح وصواب کیا ہے اور غلط کیا؟ چنانچہ فوت شدہ بزرگوں کے بارے میں حضرت شاہ صاحبؒ کا ایک نقطۂ نظر تو وہ ہے جو "الزکوٰۃ" کے حوالے سے ابتداء میں نقل کیا جا چکا ہے جس کی رُو سے قبروں میں مدفون اللہ کے بندے لوگوں کی حاجت روائی کرنے، ان کی فریادیں سننے اور تصرّفات کرنے پر قادر ہیں نیز ان کی قبروں پر عُرس وغیرہ رسُومات اور اُن کے نام کی نذر نیازیں بھی جائز ہیں لیکن دوسری طرف شاہ صاحب نے ان تمام چیزوں کو غلط اور شرک وبدعت سے تعبیر کیا ہے۔ اس سلسلے کے چند حوالے ملاحظے کے لیے پیشِ خدمت ہیں۔

حُجۃ اللہ البالغہ کے باب۔ فی بیان حقیقۃ الشرك۔ میں شاہ صاحب لکھتے ہیں۔

"شرک کی ایک قسم یہ ہے کہ بعض لوگ اللہ کے نیک بندوں کے متعلق یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ نے انہیں خاص عزّ وشرف سے نوازا ہے اور انہیں بعض اُمورِ خاص میں تصرّف کرنے کی قدرت عطا کی ہے وہ ان کی سفارش قبول کرتا ہے۔ اور اللہ تعالےٰ اپنے اختیارات اپنے ان بندوں کے کہنے کے مطابق استعمال کرتا ہے۔ ..... وغیرہ وغیرہ"

پھر لکھتے ہیں۔

وهذا مرض جمهور اليهود والنصارىٰ والمشركين وبعض الغُلاة من منافقي دين محمّد صلّى الله عليه وسلّم يومنا هذا (ص ٦١)

"اور شرک کی یہ وہ بیماری ہے جس میں یہود، عیسائی اور مشرکین بالعموم اور ہمارے زمانے میں مسلمانوں میں سے بعض غالی منافقین مُبتلا ہیں"

اسی باب میں وہ حدیثِ نبویؐ لا تشد الرحال الا الیٰ ثلاثة مساجد

کا حوالہ دے کر مسجدِ نبوی ، مسجدِ حرام اور مسجد اقصٰی کے علاوہ دیگر مقامات کو مقدس اور متبرّک سمجھ کر جانے اور ان کے ذریعے سے تقرّب حاصل کرنے کو غیر اللہ کا حج قرار دیتے ہیں (جیسا کہ فی الواقع بعض قبروں پر حج ہوتا ہے)

الفوز الکبیر فی اصول التفسیر میں لکھتے ہیں :۔

" اگر در تصویر حال مشرکین و اعمال ایشاں توقّف داری احوال محترفان اہل زمانہ خصوصًا آناں کہ بہ اطراف دارالاسلام سکونت دارند ملاحظہ کن کہ . . . . بہ قبور و آستانہا می روند و انواعِ شرک بہ عمل می آیند" (ص ۵ مطبع علیمی لاہور)

" اگر عرب کے مشرکین کے احوال و اعمال کا صحیح تصوّر تمہارے لئے مشکل ہو اور اس میں کچھ سوچ بچار ہو تو اپنے زمانے کے پیشہ ور عوام خصوصًا وہ جو دارالاسلام کے اطراف میں رہتے ہیں ، اُن کا حال دیکھ لو ، وہ قبروں ، آستانوں اور درگاہوں میں جاتے ہیں اور طرح طرح کے شرک کا ارتکاب کرتے ہیں "

التفہیمات الالٰہیۃ میں فرماتے ہیں :۔

کلّ من ذھب الی بلدۃ اجمیر او قبر سالار مسعود او ما ضاھاھا لاجل حاجۃ یطلبھا فانہ اثم اثما اکبر من القتل والزنا ۔ الیس مثلہ الا مثل من کان یعبد المصنوعات او مثل من کان یدعوا اللات والعزٰی (ج ۲ ، ص ۴۵ ، طبع قدیم)

" ہر وہ شخص جو شہر اجمیر یا سالار مسعود کی قبر اور دیگر ان جیسی قبروں اور جگہوں پر طلب حاجات کی غرض سے جاتا ہے ، وہ قتل و زنا سے بھی زیادہ بڑے گناہ کا ارتکاب کرتا ہے ۔ ایسا شخص بالکل اس شخص کی طرح ہے جو خود ساختہ چیزوں (بتوں) کی عبادت کرتا ہے یا اُس شخص

کی طرح ہے جو لات و عزّیٰ کو پکارتا ہے"۔
ایک دُوسرے مقام پر لکھتے ہیں :۔

ومن اعظم البدع ما اخترعوا فی امر القبور فاتخذوها عیداً (ج ۲ - ص ۶۴ - التفہیمات)

یعنی" بڑی بدعتوں میں سے یہ بھی ہے کہ قبروں کے متعلق بہت سی باتیں از خود گھڑ لی ہیں اور قبروں کو میلے کی حیثیت دے دی ہے"۔
اور" البلاغ المبین" میں، جو اُن کی کتاب قبر پرستی ہی کے خلاف ہے، لکھتے ہیں۔
" عادتِ آتش پرستاں وہم عادت بُت پرستانِ ہند کہ روزے از روز ہائے معین در ہر سال عید می کنند و مجمع عام می نمایند، پیر پرستاں نیز عید غدیر خم و عُرس ہائے قبُورِ بزرگان مقرر کردہ اند کہ چو تعیش آنہا درآں ایام دادِ عیش و طرب و لہو و لعب می دہند و ارواحِ خبیثہ شیاطین را خورسند ساختہ" (ص ۳۱)
" آتش پرستوں اور ہندوؤں کی یہ عادت ہے کہ ایک دن مقرر کر کے (کسی تھان وغیرہ پر) جمع ہو کر عید مناتے ہیں۔ پیر پرست فرقے نے بھی ان کے قدم بہ قدم کئی عیدیں بنا رکھی ہیں اور آئے دن کسی نہ کسی بزرگ کے "مزار" پر عُرس رچائے جاتے ہیں اور انہی کی طرح عیش و عشرت کر کے شیطان کو خوش کرتے ہیں"۔
اور حجۃ اللہ کے ایک دُوسرے مقام پر اس سلسلے میں لکھتے ہیں :۔

کان اهل الجاهلية يقصدون مواضع معظمة بزعمهم يزورونها ويتبركون بها وفيه من التحريف والفساد ما لا يخفى فسد النبي صلى الله عليه وسلم الفساد لئلا يلتحق غير الشعائر بالشعائر ولئلا يصير ذريعة لعبادة غير الله والحق عندی

ان القبر و محل عبادة ولی من اولیاء الله والطور
کل ذالك سواء فی النهی (حجۃ الله البالغہ ج۔ص ۱۹۲)

"زمانۂ جاہلیت میں لوگ اپنے مزعومہ متبرک مقامات کی "زیارت" کے لیے جاتے تھے، اس میں چونکہ غیر اللہ کی عبادت کا دروازہ کھلتا ہے جو کسی سے مخفی نہیں، اس لیے تحریف اور فساد کے اس راستے کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے فرمان کا تشد الرحال الا الی ثلاثۃ مساجد کے ذریعے سے) بند فرما دیا۔ تاکہ غیر شعائر، شعائر سے نہ مل جائیں اور یہ چیزیں غیر اللہ کی پرستش کا ذریعہ نہ بنیں۔ اور میرے نزدیک حق بات یہ ہے کہ قبر کسی ولی کا محل "عبادت اور طور بھی اس میں (یعنی مزعومہ متبرک مقامات میں) داخل ہیں اور (ان کا قصد کر کے تقرّبی سفر اختیار کرنے کی) ممانعت میں شامل ہیں۔"

یہ چند اقتباسات ہم نے شاہ صاحب کی مختلف کتابوں سے پیش کئے ہیں، جن سے یہ بات واضح ہے کہ قبروں پر اس وقت جو کچھ کیا جا رہا ہے اور ان اہلِ قبور سے متعلق جو عقائد عوام میں پائے جاتے ہیں، وہ سب مذکورہ اقتباسات کی روشنی میں غلط اور قرآن و حدیث کے خلاف ہیں۔ اور جن کی کوئی مثال تعاملِ خیر القرون میں نہیں ملتی۔

شاہ صاحب کے بیان کردہ اس اصول کی روشنی میں، جس کی وضاحت ابتداء میں کی گئی ہے، ہر باشعور آدمی یہ دیکھ سکتا ہے کہ شاہ ولی اللہ کا اصل مسلک اس کی رُو سے کیا ہے؟ وہ ہے جس کی نشاندہی "الزکوٰۃ" میں "ہمعات" کے حوالے سے کی گئی ہے، یا وہ ہے جس کی وضاحت ہم نے ان کی انتہائی اہم او معتبر ترین کتابوں کے اقتباسات کی روشنی میں کی ہے۔

بہرحال مخلوق کو (مردہ ہو یا زندہ) مافوق الاسباب طریقے پر حاجت روا، مشکل کشا، نافع وضار سمجھنا اور ان کی خوشنودی حاصل کرنے کی خاطر ان کے نام کی نذر نیاز یں، ان کی قبروں پر چادر پوشی اور میلوں، ٹھیلوں کا اہتمام وغیرہ یہ سب کام محدثات (نو ایجاد) ہیں۔ اسی طرح اللہ کے سوا کسی کو غوث (فریاد رس) کہنا اور سمجھنا بھی غلط ہے۔ غوث صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ اور غوثِ اعظم بھی وہی ہے کسی اور کو غوثِ اعظم کہنا شریعت اسلامیہ میں اس کا جواز نہیں ملتا۔ رواداری یا جوشِ عقیدت کی اور بات ہے۔

چنانچہ ایک اہم کتاب "الجوائز والصلات من جمع الاسامی والصفات" میں لکھا ہے۔

وقد بالغ المشركون فى تسمية بعض المخلوقين بالغوث ووصفوه بالاعظم وهذا اعظم اثما من تسميته بالغيث والغياث (ص ۳۵۶ ۔ طبع هند)

یعنی "بعض لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی بعض مخلوق کو "غوث" کہنے کا غلو" کیا ہے بلکہ "اعظم" بھی اس کے ساتھ چپکا کر مزید ارتکاب اثم کیا ہے۔"

("الاعتصام" ۔ ۲۵ فروری ۱۹۸۳ء)

محکمہ اوقاف کے ذرائع آمدنی

ایک قابلِ توجّہ پہلو

محکمۂ اوقاف کا قیام ایوب خانی دور میں مخصوص اغراض و مقاصد کے تحت عمل میں آیا تھا۔ اس قسم کے مفادات چونکہ ہر حکومت کو عزیز ہوتے ہیں۔ اس لیے ہر حکومت نے اس محکمے کو اپنے مفادات کے لیے استعمال کرنے کی کوشش کی ہے۔ جس طرح نیشنل پریس ٹرسٹ کا قیام مخصوص حکومتی مصالح کے لئے معرضِ وجود میں آیا تھا لیکن چونکہ وہی مخصوص مصالح اور ان کا حصول ہر حکومت کا مطمح نظر رہا ہے، اس لیے اس ٹرسٹ کو بھی بدستور استحکام و دوام حاصل رہا۔ اور "جمہوریت" پسندوں نے اس کے توڑنے کا وعدہ کیا بھی تو وہ برسرِ اقتدار آنے کے بعد اس وعدے کو پورا نہ کر سکے بلکہ اس کے ذریعے سے انہوں نے اخبارات پر اپنی گرفت اور زیادہ مضبوط کی۔

یہی حال محکمہ اوقاف کا سمجھ لیجئے کہ اس کے ذریعے بھی مسجد و محراب سے اٹھنے والی آواز کو دبانے کی کوششوں میں مزید شدّت اور ضمیر فروشی کے کاروبار میں کافی وسعت ہو گئی ہے۔ بہرحال یہ الگ ایک افسوسناک داستان ہے کہ حکومت مساجد پر کسی نہ کسی قسم کے تسلّط سے اشاعتِ دین کے ان اہم مرکزوں کو کس طرح بے وقعت اور غیر مؤثر بنانا چاہتی ہے۔ یہ موضوع اس وقت ہماری بحث سے خارج ہے۔ آج ہم ایک اور بات کی طرف توجہ دلانا چاہتے ہیں۔ اُمید ہے کہ اسلامی نظام کا نعرہ لگانے والی حکومت اس پر پوری سنجیدگی سے غور و خوض کر کے کوئی مثبت قدم اُٹھائے گی۔

وہ بات یہ ہے کہ جہاں تک ہم سمجھتے ہیں۔ اوقاف کی آمدنی دو طرح کی ہے۔ ایک

کو تو جائز کہا جا سکتا ہے جب کہ دوسرا ذریعہ آمدنی اسلامی نقطۂ نظر سے بہت کچھ محلِ نظر ہے۔ دوسرے لفظوں میں وہ مشرکانہ انداز کا ہے۔

جائز آمدنی میں مساجد کے ساتھ ملحق دوکانوں کے کرائے یا ان کے نام وقف ذرائع سے حاصل شدہ آمدنی ہے۔

دوسرا ذریعۂ آمدنی وہ ہے جو بزرگوں کی واقعی یا فرضی قبروں (مزارات[1]) پر نذر و نیاز اور چڑھاوے سے حاصل ہوتی ہے۔ اور ہماری معلومات کی حد تک اوقاف کا بہت بڑا حصہ انہی چڑھاوؤں کا ہے۔ اور امر واقعی یہ ہے کہ قرآن و حدیث اور فقہ حنفی کی رُو سے اس قسم کی آمدنی حرام ہی کے زمرے میں آتی ہے۔ اس مسئلے کی تفصیلات تو کسی دوسرے وقت پیش کی جا سکتی ہیں۔ سردست اختصاراً فقہ حنفی کی مشہور کتاب فتاویٰ دُرِّ مختار کی ایک صراحت پیش کی جاتی ہے۔ واعلم ان النذر الذی یقع للاموات من اکثر العوام وما یؤخذ من الدراھم والشمع والزیت ونحوھا الی ضرائح الاولیاء الکرام تقرّباً الیھم فھو بالاجماع باطل وحرام۔ الخ (الدر المختار آخر کتاب الصوم ص۱۳۴)

---

[1] واضح رہے کہ جن بزرگوں سے عقیدت ہو صرف ان کی قبروں کو "مزارات" اور "درگاہ" کہنا درست نہ ہوگا۔ اس لئے کہ مزار کے معنی ہیں "زیارت کی جگہ" اگر اس کا یہ مطلب ہے کہ چونکہ قبروں کی زیارت کو جانے کا شرعاً حکم ہے بفحوائے حدیث شریف زُوْرُوا الْقُبُوْرَ فَاِنَّھَا تُذَکِّرُ الْاٰخِرَۃَ "مسلمانو! قبروں کی زیارت کیا کرو کہ اس سے آخرت یاد رہتی ہے"۔ تو ہر مسلمان کی قبر کو مزار کہنا چاہیئے۔ اور اگر "مزار" کا مطلب ہے متبرک جگہ کی زیارت تو یہ بھی حدیث پاک کے خلاف ہے۔ حدیث صحیح میں متبرک جلئے زیارت تین مسجدوں کو فرمایا گیا ہے۔ مسجد حرام۔ مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ۔ لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ اِلَّا اِلیٰ ثَلٰثَۃِ مَسَاجِدَ (الحدیث صحیحین) اسی طرح "درگاہ" کا لفظ ہے کہ اس میں عبادت و پرستش کا مفہوم پایا جاتا ہے لہٰذا کسی دَر یا قبر کو "دربار" یا "درگاہ" کا نام دینا مشرکانہ ذہنیت کا غماز ہے۔

طبع میرٹھ ۱۳۲۲ھ) "معلوم ہونا چاہیئے کہ اکثر عوام مُردوں کے نام پر جو نذریں نیازیں دیتے ہیں، چڑھاوے چڑھاتے۔ اولیاء کرام کا تقرب حاصل کرنے کے لئے مالی نذرانے پیش کرتے اور ان کی قبروں پر چراغ اور تیل جلاتے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب چیزیں بالاجماع باطل اور حرام ہیں۔"

دُرِّ مختار کے حاشیہ ردّ المحتار (فتاویٰ شامی) میں اس کی تشریح یوں ہے قوله باطل وحرام لوجوه منها انه نذر لمخلوق والنذر للمخلوق لايجوز لانه عبادة والعبادة لايكون لمخلوق الى قوله ومنها انه ظن ان الميت يتصرف فى الامور دون الله تعالىٰ واعتقاده ذلك كفرٌ یعنی اُس کے باطل اور حرام ہونے کی دیگر وجوہ میں سے ایک وجہ یہ ہے کہ یہ قبروں کے چڑھاوے وغیرہ مخلوق کے نام کی نذریں ہیں اور مخلوق کے نام کی نذر جائز ہی نہیں۔ علاوہ ازیں ایسا کرنے والا مُردوں کے متعلق یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ وہ اللہ کے سوا کائنات میں تصرف کرنے کا اختیار رکھتے ہیں اور مُردوں کے متعلق ایسا عقیدہ رکھنا بھی کفر ہے۔"

فتاویٰ عالمگیری کا فتویٰ

اسی طرح فتاویٰ عالمگیری جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اسے پانچ سو حنفی علماء نے مرتّب کیا ہے، اس میں لکھا ہے کہ:۔

وَالنَّذْرُ الَّذِیْ یَقَعُ مِنْ اَکْثَرِ الْعَوَامِّ بِاَنْ یَّاْتِیَ اِلٰی قَبْرِ بَعْضِ الصُّلَحَاءِ وَیَرْفَعُ سَتْرَهٗ قَائِلًا یَاسَیِّدِیْ فُلَانٌ اِنْ قَضَیْتَ حَاجَتِیْ فَلَكَ مِنِّیْ مِنَ الذَّهَبِ مَثَلًا کَذَا بَاطِلٌ اِجْمَاعًا۔

"اکثر عوام میں جو یہ رواج ہے کہ وہ کسی نیک آدمی کی قبر پر جا کر نذر مانتے ہیں کہ اے فلاں بزرگ اگر میری حاجت پوری ہو گئی تو اتنا سونا (یا کوئی اور چیز)

تمہاری قبر پر چڑھاؤں گا۔ یہ نذر بالاجماع باطل ہے۔"

پھر لکھا ہے۔

فَمَا يُؤْخَذُ مِنَ الدَّرَاهِمِ وَنَحْوِهَا وَيُنْقَلُ إِلَى ضَرَائِحِ الْكِرَامِ تَقَرُّبًا إِلَيْهِمْ فَحَرَامٌ بِالْإِجْمَاعِ (الفتاوی الہندیہ المعروف فتاوی عالمگیری جلد اوّل ص ۲۱۶۔ باب الاعتکاف طبع مصر)

"پس جو دینار و درہم یا اور چیزیں اولیاء کرام کی قبروں پر ان کا قرب حاصل کرنے (ان کو راضی کرنے) کے لئے لی جاتی ہیں وہ بالاجماع حرام ہیں۔"

فقہ حنفی کی ان عبارتوں کی روشنی میں حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ بزرگوں کے نام پر ان کی قبروں پر قربانی اور نذر سے متعلق ہی ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں۔

"اگر اس نذر سے یا بدون نذر کے اس ذبح سے نیت تقرب لغیر اللہ کی ہو، تو ذبیحہ حرام رہے گا۔ اگرچہ اس کے ذبح کے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لیا گیا ہو۔ وقد حرم اللہ تعالیٰ فی المائدۃ ما ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ بعد ذکر تحریم ما اھل لغیر اللہ بہ (امداد الفتاوی۔ ج ۲۔ ص ۷۸۴۔ طبع کراچی)

بنابریں قبروں سے حاصل شدہ آمدنی کا بہت سارا حصہ شرعی نقطۂ نظر سے حرام قرار پاتا ہے۔ اس لئے کہ "مزاروں" کا یہ سارا کاروبار لات ومنات مشرکانہ ہے۔ کیا مسلمانوں کی "قبر پرستی" اور ہندوؤں کی "صنم پرستی" میں کوئی فرق نظر آتا ہے؟ کیا دونوں جگہ غیر اللہ کی پوجا نہیں کی جاتی؟

لہٰذا ہم سمجھتے ہیں کہ محکمۂ اوقاف میں جائز و ناجائز دونوں آمدنیاں ایک ہی زمرے میں ہیں۔ اور حلال و حرام گڈ مڈ ہو گئے ہیں۔ اور اسی مجموعۂ "حلال و حرام" سے ائمہ و خطباء مساجد کو تنخواہیں دی جاتی ہیں۔ اسی طرح وہ اہل توحید خطباء وائمہ جو اوقاف کی مساجد میں متعین ہیں وہ بھی ایسے مال کھانے پر مجبور کر دیئے گئے ہیں۔ جبکہ ان کے عقیدے کی

منع ہے۔ اور اصل اسلامی عقیدہ ہے بھی یہی! قبروں پر چڑھاوے کی آمدنی حرام اور ناجائز ہے۔

اس لئے ہماری گذارش یہ ہے کہ قبروں سے حاصل شدہ آمدنی الگ کر دی جائے۔ اور مساجد کی دکانوں اور دیگر وقف شدہ ذرائع سے حاصل شدہ آمدنی کو الگ اور اسی دوسری آمدنی سے ائمہ وخطباء کو تنخواہیں دی جائیں اور دیگر علمی وتبلیغی کام بھی اسی آمدنی سے کئے جائیں۔

یہ آمدنی گو قبروں سے حاصل شدہ آمدنی سے بہت کم ہوگی تاہم برکت والی آمدنی حلال ہی کی آمدنی ہے اور اسی آمدنی سے ہی خیر کا کام کیا بھی جانا چاہیئے۔ حرام کمائی کو تبلیغ دین جیسے کارِ خیر پہ صرف کرنا غضب خداوندی کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔ یہ تو ایسا ہی ہوگا جیسے شراب وجُوا سے حاصل شدہ آمدنی سے قرآن کریم یا احادیث کی کتابیں چھاپی جائیں، یا اور کسی دینی مصرف میں اس کو لایا جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ غیر اللہ کی نذر نیاز اور چڑھاووں کی آمدنی شراب وجوئے سے حاصل شدہ آمدنی سے زیادہ ناپاک ہے۔

ہم جہاں یہ توقع رکھتے ہیں کہ ہماری حکومت اوقاف کی آمدنی کو دو حصوں میں تقسیم کر کے اہلِ توحید خطیبوں اور اماموں (خصوصاً) کو اس مخمصے سے نجات دلائے گی۔ وہاں اہلِ توحید اخبارات سے اُمید کرتے ہیں کہ ہماری اس آواز کی تائید میں وہ بھی اپنے اخبارات میں حکومت کو اس مسئلے کی طرف متوجہ کریں گے۔ ان ارید الا الاصلاح وما التوفیق الا باللہ العلی العظیم

("الاعتصام" مئی ۱۹۸۴ء)

"نوائے وقت" کے "نورِ بصیرت" کے جواب میں

ذیل کے مضمون کا ابتدائی حصہ ستمبر ۱۹۸۰ء کے "الاعتصام" میں شائع ہوا تھا، اس وقت سنسر شپ نافذ تھی، اس لئے مکمل طور پر شائع نہیں ہو سکا تھا جب سے ہی اس کا بقیہ حصہ غیر مطبوعہ پڑا تھا۔ اب اسے بھی کتاب میں شامل کیا جا رہا ہے (ص۔ ی)

روزنامہ "نوائے وقت" ملک کا ایک مؤقر سیاسی اخبار ہے۔ جسے ہر حلقے اور مکتبِ فکر میں دلچسپی سے پڑھا جاتا ہے۔ اخبار کی اس مقبولیت اور ہر دلعزیزی کا تقاضا ہے کہ اس میں شائع ہونے والا مواد ہر قسم کی دل آزاری اور فرقہ واریت سے پاک ہو لیکن افسوس ہے کہ اس کے ایک مستقل کالم نگار میاں عبدالرشید صاحب وقتاً فوقتاً اس انداز سے "نورِ بصیرت" والا کالم رقم فرماتے ہیں کہ جس سے ایک تو فرقہ واریت کی تبلیغ ہوتی ہے جس میں دوسرے مکتبِ فکر کی دل آزاری سے بھی دریغ نہیں کیا جاتا۔ دوسرے، یہ صاحب قرآنی علوم سے بھی بے بہرہ معلوم ہوتے ہیں۔ گو ع

برعکس نہند نام زنگی کافور

کے مصداق انہوں نے اپنے کالم کا مستقل عنوان "نورِ بصیرت" رکھا ہوا ہے، لیکن بسا اوقات وہ ظُلُمَاتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ اور قرآن کی تحریفِ معنوی کا آئینہ دار ہوتا ہے۔

ابھی گذشتہ دنوں انہوں نے بعض کالم لکھے ہیں جن سے ہمارے مذکورہ دعوے کی تائید ہوتی ہے مثلاً قرآنِ کریم میں آتا ہے۔ وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ إِلَّا

لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللّٰهِ وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَّلَمُوْا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا (النساء - ۶۴) اس کا ترجمہ کالم نگار مذکور ہی کے الفاظ میں حسب ذیل ہے۔

" اور ہم نے ہر رسول اس لیے بھیجا کہ اللہ تعالےٰ کے حکم سے اُس کی اطاعت کی جائے۔ اور اگر وہ لوگ (اس وقت) جب انہوں نے (گناہ کا ارتکاب کرکے) اپنے اوپر ظلم کیا تھا، آپؐ کے پاس آجاتے پھر اللہ تعالےٰ سے (اپنے گناہ کی) معافی طلب کرتے تو وہ ضرور اللہ تعالےٰ کو توبہ قبول کرنے والا (اور) رحم فرمانے والا پاتے "

اسی طرح سورۃ المنافقون کی ایک آیت ہے۔ وَإِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَوَّوْا رُءُوْسَهُمْ وَرَأَيْتَهُمْ يَصُدُّوْنَ وَهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ (آیت ۵) اس کا ترجمہ بھی کالم نگار کے الفاظ میں حسب ذیل ہے۔

"اور جب ان (منافقوں) سے کہا جاتا ہے کہ آؤ رسول اللہ تمہارے لئے (اللہ تعالےٰ سے) معافی طلب کریں تو وہ (نفی میں) سر ہلاتے ہیں اور آپ انہیں دیکھتے ہیں (کہ وہ) بے اعتنائی برتتے (ہیں) اور تکبّر کرتے ہیں "

اِن دونوں کے ان ترجمے کو دیکھ لیجئے جو "نوائے وقت" کے ہی کالم نگار نے کئے ہیں کہ ان میں کیا چیز بیان کی گئی ہے۔ بیان رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور کے کفار و منافقین اور گنہ گاروں کا ہو رہا ہے کہ وہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر کفر و نفاق اور معصیتوں سے توبہ کرلیں تو اللہ کا رسُول بھی ان کے لئے بارگاہِ الٰہی میں مغفرت کی دعا کرے گا۔ یہ گویا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ کا واقعہ ہے جس سے مجالِ انکار نہیں۔ بلاشبہ گناہ گاروں کے لئے آپؐ کی دُعائے مغفرت ان کے گناہوں کی معافی کا باعث ہوتی۔ اور جن سعادت مندوں نے اس طرح بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر اپنی گناہ آلود زندگیوں سے توبہ کی اور اسلام قبول کیا،

یقیناً ان کے قبولِ اسلام اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعا کی برکت سے نہ صرف اُن کے گناہ معاف کر دیئے گئے بلکہ انہیں رَضِیَ اللّٰہُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ کا سرٹیفکیٹ بھی عطا ہوا۔

لیکن مذکورہ بالا آیات سے یہ ثابت کرنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بھی، آپؐ "وسیلۂ مغفرت" ہیں اور آپؐ کو وسیلہ بنا کر مغفرت کی دُعا کرنی چاہیئے۔ یہ غلط ہے۔ کیونکہ قرآن تو عہدِ رسالت کے لوگوں کے متعلق یہ کہہ رہا ہے کہ تمہارے لئے بڑا سنہری موقعہ ہے اپنے گناہوں سے تائب ہو جاؤ۔ اس وقت تو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی تمہارے لئے مغفرت کی دُعا کرنے کے لئے موجود ہیں لیکن یہ کالم نگار اس کو عام کر کے اس سے "وسیلہ" کا اثبات فرما رہے ہیں جس کا نہ اس آیت سے کوئی تعلق ہے اور نہ کسی اور ہی نص سے اس کا ثبوت مہیا ہوتا ہے۔ گویا ایک بالکل بے ثبوت بات قرآن کے سر منڈھی جا رہی ہے جسے تحریفِ معنوی ہی کہا جائے گا۔

پھر کالم نگار نے اس پر ہی بس نہیں کی ہے بلکہ ستم بالائے ستم یہ فتوے بھی عائد فرمایا ہے کہ جو لوگ حضورؐ کے وسیلے سے مغفرت طلب کرنے سے انکار کرتے ہیں اور تکبر کرتے ہیں وہ منافق اور متکبر ہیں (روزنامہ "نوائے وقت" لاہور۔ ۳۰۔ اگست ۸۰ء)

یوں ان صاحب نے بیک جنبشِ قلم تمام صحابہؓ و تابعینؒ۔ ائمہ کرامؒ اور محدثینِ عظامؒ سب کو نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ منافق اور متکبر بنا دیا ہے کیونکہ کسی صحابی، تابعیؒ، امام اور محدث نے وہ "وسیلہ" اختیار نہیں کیا جس کا اثبات مذکورہ کالم نگار نے کیا ہے اور کسی نے بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے اور وسیلے سے نہ مغفرت کی دعا کی نہ اور کسی قسم کی دُعا۔ تمام صحابہؓ و تابعینؒ براہِ راست اللہ تعالیٰ سے ہی دعا کرتے تھے۔ اس مسئلے کو سمجھنے کے لئے حضرت عمرؓ کا یہ عمل کافی ہے کہ وہ قحط سالی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباسؓ سے بارش کی دُعا کروایا کرتے تھے (یعنی زندہ بزرگ

کا وسیلہ کرتے تھے) اور فرماتے تھے۔

اَللّٰھُمَّ اِنَّا کُنَّا نَتَوَسَّلُ اِلَیْکَ بِنَبِیِّنَا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَتَسْقِیْنَا وَ اِنَّا نَتَوَسَّلُ اِلَیْکَ بِعَمِّ نَبِیِّنَا فَاسْقِنَا " رواہ البخاری (مشکوٰۃ۔ ص ۱۳۲)

"اے اللہ ہم پہلے تیرے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے توسّل کرتے (یعنی دُعاء کرواتے) تھے۔ تو تُو ہم کو پانی پلاتا تھا (یعنی بارانِ رحمت کا نزول فرما دیتا تھا) اب ہم تیرے پاس اپنے پیغمبر کے چچا کا وسیلہ لے کر آئے ہیں (یعنی ان کے توسّل اور ذریعے سے دعاء کرتے ہیں) پس ہم کو سیراب فرما" راوی بیان کرتا ہے کہ فَیُسْقَوْا، اس کے بعد بارش نازل ہوئی"

اِس واقعے سے معلوم ہوا کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ان کا "وسیلہ" نہیں پکڑا یعنی ان کے وسیلے سے دُعائیں نہیں مانگیں نہ ان کی قبر مبارک پر جا کر اُن سے استمداد کی، حالانکہ صحابۂ کرام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں آپؐ سے دعائیں کرواتے تھے۔ صحیح بخاری میں آتا ہے کہ مدینہ منورہ میں قحط پڑا۔ ایک مرتبہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کہ ایک اعرابی آیا اور کہنے لگا، اے اللہ کے رسول مویشی ہلاک ہوگئے۔ اور لوگ بھوکوں مر گئے، آپؐ اللہ سے بارش کی دعا کیجئے۔ آپؐ نے دُعاء فرمائی تو اُسی دن سے بارش شروع ہو کر آئندہ جمعہ تک جاری رہی۔ پھر دوسرے جمعہ کو کثرتِ بارش کی وجہ سے مکانات گرنے کی شکایت کر کے بارش رُکنے کی دُعاء طلب کی گئی، آپؐ نے پھر بارش رُک جانے کی دُعاء فرمائی۔ جس کے بعد بارش تھم گئی۔

اِسی طرح کتبِ حدیث میں دیگر متعدد واقعات موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ مختلف مواقع پر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے آپؐ سے دُعاؤں کی درخواست کی اور آپؐ نے

ان کے حق میں دُعائیں فرمائیں۔

یہ ہے وہ توسّل بالاحیاء جو احادیث سے ثابت ہے۔ لیکن توسّل بالاموات (فوت شدہ بزرگوں کو وسیلہ بنا کر دُعا کرنا) اس کا ثبوت احادیث صحیحہ میں نہیں ملتا۔ نہ صحابہؓ و تابعینؒ نے یہ "وسیلہ" اختیار ہی کیا ہے۔

فقہائے احناف کا فتویٰ

صحابہؓ و تابعینؒ کے بعد ائمہ کرامؒ کا دَور ہے۔ ان میں سے بھی کسی امام نے بھی ایسا نہیں کیا، بلکہ امام ابوحنیفہؒ اور دیگر فقہائے حنفیہ کا عقیدہ و مسلک بھی یہی ہے کہ فوت شدہ بزرگوں کے وسیلے سے دُعا کرنی جائز نہیں۔ چنانچہ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں۔

لاینبغی لاحد ان یدعو اللہ بمخلوق وسالہ بہ فیقول اللھم انی اسئلك بحق انبیائك او یقول بحق رسولك او بحق احد من اولیائك کل ذلك مکروہ التحریم

(ہدایہ اخیرین۔ ص ۴۷۳)

یعنی، کسی شخص کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ کسی مخلوق کے واسطے سے بارگاہِ الٰہی میں دُعا کرے اور اس کے وسیلے سے سوال کرے۔ اور یوں کہے اے اللہ میں تجھ سے بحق انبیاء یا بحقِ رسولؐ یا فلاں بزرگ کے واسطے اور وسیلے سے دُعا مانگتا ہوں، اس طرح دُعا کرنا بالکل ناجائز اور حرام ہے۔"

اور مُلّا علی قاری حنفیؒ لکھتے ہیں:۔

قال ابوحنیفة وصاحباہ یکرہ ان یقول الرجل اسئلك بحق فلان او بحق انبیائك ورسلك وبحق البیت الحرام والمشعر الحرام ونحو ذلك اذ لیس

لا حد علی اللہ حق (شرح فقہ اکبر۔ص ۱۶۱، طبع مجتبائی۔ دہلی)

"اور امام ابوحنیفہ اور صاحبینؒ (امام محمد و امام ابو یوسف) کہتے ہیں کہ کوئی شخص اس طرح دعا کرے کہ اے اللہ میں بحق فلاں بزرگ، یا بحق فلاں نبی یا بحق بیت الحرام یا اس قسم کے کسی واسطے سے تجھ سے سوال کرتا ہوں، تو یہ صحیح نہیں، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ پر کسی مخلوق کا کوئی حق نہیں ہے کہ اس کا واسطہ دے کر اس سے مانگا جائے"

بہر حال حاصل گزارش ہے کہ ایک غیر مذہبی سیاسی اخبار کے کالم نگار کو دینی معاملات میں رائے زنی کرتے ہوئے اول تو قرآن وحدیث کا صحیح علم ہونا چاہیئے۔ بصورت دیگر اسے اس قسم کے فتویٰ بازی سے اجتناب کرنا چاہیئے۔ اگر ان میں سے کسی بات کا بھی خیال نہ رکھا جائے تو پھر اس اخبار کے مدیر کا فرض ہے کہ وہ تصویر کا دوسرا پہلو بھی شائع کرے۔ لیکن افسوس اخبار مذکور میں اس طرف توجہ نہیں کی جاتی۔ فالی اللہ المشتکی۔

یکم ستمبر ۱۹۸۰ء کے "نوائے وقت" میں "شرک و بدعت" کے عنوان سے میاں عبدالرشید صاحب "نورِ بصیرت" میں فرماتے ہیں۔

"امتِ مسلمہ کے اتحاد کو پارہ پارہ کرنے میں خفیہ یہودی تحریک کے علاوہ شرک و بدعت کے بارے میں غلط فہمیاں بھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات میں کسی اور کو ان کے برابر سمجھنا شرک ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہ کوئی مسلمان اس کا مرتکب نہیں ہوتا۔ اب یا رسول اللہ کہنے کو شرک بنا لینا یا عقیدت سے ہاتھ چومنے کو شرک بنا لینا صریحاً زیادتی ہے۔ التحیات میں "ایّھا النبیّ" کے الفاظ موجود ہیں اور نمازوں میں سب التحیات پڑھتے ہیں۔ اگر بزرگوں کے پاس روحانیت کے لئے جانا شرک ہے۔ تو پھر علماء کے پاس علمِ شریعت سیکھنے کے لئے جانا کیوں شرک نہیں؟

سکول و کالج میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے جانا کیوں شرک نہیں ؟ ڈاکٹر کے پاس جانا کیوں شرک نہیں ؟ شرک ظلم عظیم ہے۔ اس کی معافی نہیں، اس لئے کسی مسلمان کو بے سوچے سمجھے مشرک کہنے سے احتراز کرنا چاہیئے۔"

یہ طویل اقتباس اس لیے نقل کیا گیا ہے تاکہ موصوف کی پوری بات سامنے آ جائے۔ اس اقتباس میں غلطی ہائے مضامین کے ایسے نادر نمونے ہیں کہ حیرت ہوتی ہے۔ ایک طرف یہ اعتراف ہے کہ :-

" اللہ تعالےٰ کی ذات اور صفات میں کسی اور کو ان کے برابر سمجھنا شرک ہے"

لیکن دوسری طرف یہ دعویٰ ہے کہ :-

"الحمدللہ کوئی مسلمان اس (شرک) کا مرتکب نہیں ہوتا"

حالانکہ شرک کی جو تعریف خود موصوف نے کی ہے اس کی رو سے تمام قبر پرست "مشرک" ہی قرار پاتے ہیں۔ آخر جو بزرگ فوت ہو گئے ہیں، ان کو نزدیک یا دور سے پکارنے والے کا کیا یہ عقیدہ نہیں ہوتا کہ وہ بزرگ اس کی پکار کو سن رہا ہے؟ اس کی حالت کو دیکھ رہا ہے اور وہ اس کی حاجت برآری پر قادر ہے۔ یقیناً یہی عقیدہ ہوتا ہے۔ اگر یہ عقیدہ نہ ہو تو یہ لوگ گھروں میں بیٹھ کر یا شیخ عبدالقادر شیئاً للہ کا وظیفہ کبھی نہ پڑھیں، "امام بری امام بری" میری کھوٹی قسمت کرو کھری" کا راگ نہ الاپیں، اور "علی شہباز، کرے پرواز، راز دلوں کا جانے"، جیسی قوالیاں اور گانے تیار نہ ہوں۔

کیا اس طرح فوت شدہ بزرگوں کو امداد کے لئے پکارنے والے کا یہ عقیدہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ اللہ کے سوا ان مرحوم بزرگوں کو عالم الغیب، حاضر ناظر، سمیع و بصیر، علیم بذات الصدور، نافع و ضار اور مجیب الدعوات سمجھتا ہے۔ اور کیا یہ تمام صفتیں خدائی صفات نہیں۔؟ اب دوسروں کو بھی ان صفات کا حامل سمجھنا آخر شرک کیوں نہیں ہوگا؟

——— محض یا رسول اللہ کہنے کو یا انگوٹھا چومنے کو کوئی شرک نہیں کہتا، ایسا کہنے والوں

کو "مشرک" اس لیے کہتے ہیں کہ وہ صرف یا رسول اللہ ہی نہیں کہتا بلکہ اس کا عقیدہ ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اللہ تعالےٰ کی طرح عَالِمِ مَا کَانَ وَمَا یَکُوْن ہیں۔ حاضر و ناظر، سمیع و بصیر ہیں۔ شیخ عبدالقادر جیلانی کو بھی ایسا ہی سمجھا جاتا ہے بلکہ یہی عقیدہ ان کا ہر چھوٹے بڑے بزرگ بلکہ سچے جھوٹے اور مصنوعی بزرگ کے لئے بھی رکھتے ہیں۔ اگر شک ہو تو لیجئے ہم حوالہ پیش کئے دیتے ہیں۔

مولانا احمد رضا خاں بریلوی لکھتے ہیں کہ :۔

" انہیں سیدی احمد سجلماسی کے دو بیویاں تھیں، سیدی عبدالعزیز دباغ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رات کو تم نے ایک بیوی کے جاگتے دوسری سے ہم بستری کی، یہ نہیں چاہیئے۔ عرض کیا حضور، وہ اُس وقت سوتی تھی۔ فرمایا سوتی نہ تھی۔ سوتے میں ہی جان ڈال لی تھی، عرض کیا حضور کو کس طرح علم ہوا؟ فرمایا جہاں وہ سو رہی تھی، کوئی اور پلنگ بھی تھا؟ عرض کیا ہاں ایک پلنگ خالی تھا۔ فرمایا اُس پر میں تھا، تو کسی وقت شیخ مرید سے جدا نہیں، ہر آن ساتھ ہے " (ملفوظات حصہ دوم ص ۱۶۹)

فرمائیے! کیا یہ خدائی صفت (کہ وہ ہر آن ساتھ ہے) میں اپنے پیر کو برابر کا شریک نہیں سمجھا جا رہا ہے؟

اور سُنیئے! مولانا احمد رضا خاں صاحب سے سوال ہوتا ہے۔

"عرض، حضور، اولیاء ایک وقت میں چند جگہ حاضر ہونے کی قوت رکھتے ہیں۔ ارشاد، اگر وہ چاہیں تو ایک وقت میں دس ہزار شہروں میں دس ہزار جگہ کی دعوت قبول کر سکتے ہیں " (ملفوظات حصہ اول، ص ۱۱۳)

شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے اندر تمام خدائی صفتیں تسلیم کی جاتی ہیں جس کا ثبوت وہ نظم ہے جو ماہنامہ "رضائے مصطفےٰ" گوجرانوالہ میں چھپی ہے ؎

؎ یہ نظم صفحہ ۲۰۰ پر ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔

اس نظم میں شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کو کیا خدائی تخت پر نہیں بٹھا دیا گیا ہے؟ آخر کون سی خدائی صفت ایسی ہے جس کا اثبات ان کے لیے نہیں کیا گیا ہے؟ یہی نہیں بلکہ دیگر بزرگوں کے لئے بھی ایسی ہی خوش عقیدگی اور غلوِ عقیدت کا مظاہرہ کیا گیا ہے۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ شعر اب مساجد میں لکھا جانے اور دعاؤں میں پڑھا جانے لگا ہے۔

يَا رَسُولَ اللهِ اُنْظُرْ حَالَنَا　　يَا حَبِيبَ اللهِ اِسْمَعْ قَالَنَا
اِنَّنِي فِي بَحْرِ غَمٍّ مُغْرَقٌ　　خُذْ يَدِي سَهِّلْنَا اَشْكَالَنَا

"اے اللہ کے رسول ہماری حالت پر نظرِ کرم فرمائیے! اے اللہ کے حبیب ہماری باتوں (فریادوں) کو سنئیے! ہم غم کے سمندر میں ڈوبے ہوئے ہیں، ہمارا ہاتھ پکڑئیے اور ہماری مشکلیں آسان فرما دیجئے!"

اس کے علاوہ دست بستہ تعظیمی قیام، قومہ وسجدہ اور طواف یہ سب عبادتیں وہ ہیں جو صرف اللہ کے لئے (اور طواف اس کے گھر بیت اللہ کے لیے) مخصوص ہیں اگر یہی افعال اللہ کے سوا کسی اور کے لئے بھی کئے جائیں گے تو یہ شرک فی العبادۃ ہوگا! اب دیکھ لیا جائے کہ کیا قبروں کو خانہ کعبہ کی طرح غسل نہیں دیا جاتا؟ کیا قبروں پر دست بستہ تعظیمی قیام نہیں ہوتا؟ کیا قبروں پر سجدے نہیں ہو رہے؟ قبر کے سنگِ تعویذ کو چومنا اور اس پر اپنی پیشانی رگڑنا کیا سجدے سے مختلف چیز ہے؟ کیا اللہ تعالیٰ کی طرح فوت شدہ بزرگوں کے ناموں کی نذر نیاز یں نہیں دی جاتیں، ان کے قبروں پر خانہ کعبہ کی طرح غلاف نہیں چڑھائے جاتے۔ آخر وہ کونسا کام ہے جو صرف اللہ کے لئے کیا جاتا ہو۔ اور وہ ان قبروں پر نہ ہو رہا ہو؟ حتیٰ کہ ظالموں نے نمازیں بھی غیر اللہ کے لئے پڑھنی شروع کر دی ہیں، یہ صلوٰۃِ غوثیہ کیا ہے؟ یہ شیخ عبدالقادر جیلانی کے لئے پڑھی جاتی ہے۔ پڑھتے وقت اس کا رُخ بھی (غالباً) بغداد کی طرف ہوتا ہے۔

لیکن میاں صاحب فرما رہے ہیں "الحمد للہ" کوئی مسلمان شرک کا مرتکب نہیں ہوتا" اگر مذکورہ بالا امور مشرکانہ نہیں ہیں تو پتہ نہیں مشرکانہ امور کیا ہیں؟ حالانکہ یہی وہ افعال ہیں جن کی بناء پر کفار مکہ مشرکین کہلائے۔ اور انہی افعال پر خود فقہ حنفی نے بھی کفر و شرک کا فتوےٰ عائد کیا ہے۔ اس سلسلے کے چند حوالے گذشتہ صفحات میں گذر چکے ہیں۔ چند اور حوالے پیشِ خدمت ہیں۔

حنفی مذہب کی کتاب ہدایہ میں ہے۔ اما فی شریعتنا فلا یجوز لاحد ان یسجد لاحد بوجه من الوجوه ومن فعل ذلك فقد كفر"

" ہماری شریعتِ اسلامیہ میں یہ قطعاً جائز نہیں ہے کہ کوئی کسی کو (خدا کے سوا) کسی طرح کا بھی سجدہ کرے اور جو ایسا کرے وہ کافر ہے"

اگر کوئی کہے کہ کوئی شخص بھی قبر کو یا کسی پیر کو سجدہ نہیں کرتا تو اوّلاً یہ دعویٰ ہی غلط ہے۔ قبروں پر جا کر دیکھ لیا جائے کہ عوام کیا کچھ نہیں کرتے؟ ثانیاً قبر کو چومنا اور اس کے سامنے سر نیہوڑنا اور زمین کو بوسہ دینا اور پیر کے قدموں پر سر رکھ دینا یہ تو عام مشاہدے کی بات ہے۔ یہ افعال بھی از قبیلِ سجدہ ہی ہیں۔ جس کی صراحت بھی حنفی فقہاء نے ہی کر دی ہے۔ چنانچہ دُرِّ مختار (ص ۶۹۹ میں مرقوم ہے۔

وكذا ما يفعلونه من تقبيل الارض بين يدى العلماء والعظماء فحرام والفاعل والراضى به آثمان لانه يشبه عبادة الوثن۔

یعنی" اسی طرح جو لوگ علماء اور بزرگوں کے سامنے زمین پر بوسہ دیتے ہیں، یہ حرام ہیں، اور ایسا کرنے والا اور اس کو پسند کرنے والا دونوں گنہگار ہیں کیونکہ ایسا کرنا بھی بتوں کی پرستش کے مشابہ ہے"

اور فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔

شہنشاہ من خصائص اسماء اللہ واما تقبیل الارض فھو قریب من السجود۔

یعنی "شہنشاہ کا لقب اللہ تعالےٰ کے خصوصی اسماء میں سے ہے (یعنی کسی اور کو اس لقب سے ملقب کرنا جائز نہیں) اور زمین کو بوسہ دینا یہ سجدے کے قریب ہے" (ج ۲ - ص ۹۶)

ان حوالوں سے واضح ہے کہ فوت شدہ بزرگوں کی قبروں کو چومنا اور عقیدت سے انہیں چھونا یہ سجدے ہی کی قسم ہے جس کے مرتکب کو فقہ حنفی کافر بتلاتی ہے۔

● قبروں کے گرد طواف بھی عام ہے حالانکہ طواف بھی صرف خانہ کعبہ کے ساتھ خاص ہے۔ حنفی فقہاء نے خانہ کعبہ کے علاوہ کسی اور جگہ کے طواف سے بھی سختی کے ساتھ روکا ہے۔ اور اس فعل سے بھی اندیشۂ کفر ظاہر کیا ہے۔ چنانچہ ملا علی قاری حنفی شرح مناسک میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے بارے میں لکھتے ہیں۔

لا یطوف ای لا یدور حول البقعة الشریفة لان الطواف من مختصات الکعبة المنیفة فیحرم حول قبور الانبیاء والاولیاء ولا عبرة بما یفعله الجهلة ولو کانوا فی صورة المشائخ والعلماء۔

یعنی "نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف کے گرد طواف نہ کرے۔ اس لئے کہ طواف خانہ کعبہ کے ساتھ مخصوص ہے۔ پس انبیاء اور اولیاء کی قبروں کے گرد پھرنا (طواف کرنا) حرام ہے اور جو جاہل لوگ ایسا کرتے ہیں اگرچہ وہ صورت میں مشائخ اور علماء معلوم ہوں۔ ان کا کوئی اعتبار نہیں"

اور شرح عین العلم میں فرماتے ہیں۔

یمس ای القبر ولا التابوت ولا الجدار فورد النہی عن مثل ذلک بقبرہ علیہ السلام فکیف بقبور سائر الانام ولا یقبل فانہ زیادۃ علی المس فہو اولی۔

یعنی" نہ قبر کو چھوئے نہ تابوت اور دیوار کو، کیونکہ ایسا کرنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کے ساتھ بھی منع ہے۔ پھر دیگر لوگوں کی قبروں کے ساتھ ایسا کرنا کیوں کر جائز ہوگا۔؟ اور نہ قبر کو بوسہ دے کیونکہ یہ تو چھونے سے بھی زیادہ بُرا ہے۔ پس بوسہ حجرِ اسود کے ساتھ مخصوص ہے۔ ..."

اور بعض کتب حنفیہ میں قبر کو چھونا اور بوسہ دینا عیسائیوں کی عادت بتلائی گئی ہے اور اسی لیے اس سے روکا ہے۔ لا یمس القبر ولا یقبلہ فانہ عادۃ للنصاری (شرح جامع صغیر) حتیٰ کہ معراج الدرایۃ میں ہے۔ لو طاف حول مسجد سوی الکعبۃ الشریفۃ یخشی علیہ الکفر (صواعق الٰہیہ

"کعبہ شریف کے علاوہ کوئی شخص اگر کسی مسجد کا بھی طواف کرے گا تو ایسے شخص کے متعلق اندیشۂ کفر ہے"

- عبدالنبی، عبدالرسول اور پیر بخش، حسین بخش، امام بخش وغیرہ نام بھی قبر پرستوں میں عام ہیں۔ اس کے متعلق بھی فقہ حنفی کی صراحت سُن لیجئے۔

ملّا علی قاری حنفی لکھتے ہیں:-

واما ما اشتھر من التسمیۃ بعبد النبی فظاھرہ کفر الا ان اراد بالعبد المملوک (شرح فقہ اکبر۔ ص ۲۳۸۔ طبع مجتبائی۔ دہلی) یعنی "عبدالنبی نام رکھنا بظاہر کفر ہے اِلّا یہ کہ غلام کے معنی میں ہو۔"

یہ چند مثالیں فقہ حنفی سے اس امر کے ثبوت کے لئے کافی ہیں کہ" نوائے وقت"

کے کالم نگار کا یہ موقف کسی طرح بھی درست نہیں ہے کہ کوئی مسلمان بھی شرک کا مرتکب نہیں ہوتا۔ دراں حالیکہ صحیح اسلامی تعلیم سے بے بہرہ اکثر مسلمان اُن اُمور کا ارتکاب کر رہے ہیں جو صریحا شرک کے دائرے میں ہی آتے ہیں۔ اعاذنا اللہ منھا۔

کالم نگار کی چند مثالوں کی حقیقت

اب آئیے ان چند مثالوں پر بھی نظر ڈالیں جو "نوائے وقت" کے کالم نگار نے اپنے موقف کے ثبوت میں پیش کی ہیں پہلی مثال تو انہوں نے یہ پیش کی ہے کہ التحیات میں ایّھا النبیّ کے الفاظ موجود ہیں۔ اور نمازوں میں یہ التحیات سب پڑھتے ہیں۔

یعنی موصوف کا مطلب یہ ہے کہ سارے ہی مسلمان التحیات میں ایھا النبی صیغۂ خطاب سے پڑھتے ہیں تو کیا یہ سب مشرک سمجھے جائیں گے۔؟

لیکن ہم عرض کریں گے کہ یہ استدلال بالکل بودا ہے۔ کیونکہ التحیات میں یہ الفاظ ہم از خود اپنی طرف سے نہیں پڑھتے بلکہ ہمیں جو طریقۂ نماز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھلایا اور بتلایا ہے۔ اس میں یہ الفاظ پڑھتے ہیں جو اسلام اور ایمان کا ضروری تقاضا ہے۔ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنی نمازیں التحیات میں یہ الفاظ اسی طرح پڑھتے تھے۔ آخر وہ کس نبی کو خطاب کر کے مذکورہ الفاظ کہتے تھے؟ اس سے معلوم ہوا کہ ایک نمازی التحیات میں جب السّلام علیک ایھا النبیّ پڑھتا ہے تو اس کا عقیدہ قطعاً یہ نہیں ہوتا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سُن رہے ہیں اور میں ان کو خطاب کر رہا ہوں بلکہ ہر مسلمان یہ الفاظ محض نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کے مطابق پڑھتا ہے۔ ان الفاظ کا کوئی تعلق اُس صلوٰۃ و سلام سے نہیں ہے جو خود ساختہ ہے۔ اور آج کل عام پڑھا جاتا ہے کیونکہ اس کی بنیاد اس فاسد عقیدے پر ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حاضر ناظر، سمیع و بصیر اور عالم الغیب ہیں۔ اسی لیے مذکورہ سلام وہ اس عقیدے کے تحت کھڑے ہو کر پڑھتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم موجود ہیں اور بذاتِ خود سُن رہے ہیں۔ اور ایسا عقیدہ رکھنا شرک ہے۔ کسی کی خوش فہمی یا

غلط فہمی سے یہ نہیں ہو سکتا کہ شرک، شرک نہ رہے۔ ایک مسلمان کہلانے والا شخص شرک کا ارتکاب کرے تو وہ شرک ہی نہ ہو۔

۲۔ آگے ارشاد ہوتا ہے۔

"اگر بزرگوں کے پاس رُوحانیت کے لئے جانا شرک ہے تو پھر علماء کے پاس علمِ شریعت سیکھنے کے لئے جانا کیوں شرک نہیں"

اسے کہتے ہیں "ماروں گھٹنا پھوٹے آنکھ" بات ہو رہی ہے کہ جو لوگ فوت ہو چکے ہیں، ان کا اس دنیا سے تعلق ختم ہو چکا ہے۔ نفع نقصان پہنچانا تو بہت بڑی بات ہے۔ وہ اب نہ کسی کی بات سُن سکتے ہیں نہ سنا سکتے ہیں۔ اسے زندہ علماء سے فیض حاصل کرنے سے جوڑنا انتہائی بلادت وغباوت کی دلیل ہی ہو سکتی ہے۔ گویا ع

سخن فہمی عالمِ بالا معلوم شُد

والی بات ہے۔ سچ ہے۔ مشرک سے فہم و فکر اور عقل و غور کی صلاحیتیں ہی سلب کر لی جاتی ہیں۔

آگے یہ نے مزید بڑھتی ہے۔ فرماتے ہیں:۔

"سکول و کالج میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے جانا کیوں شرک نہیں؟ ڈاکٹر کے پاس جانا کیوں شرک نہیں"

سبحان اللہ! کیا کہنے "نوابِ وقت" کے کالم نگار کی دانش و فہم کے۔ حالانکہ موٹی سی بات ہے کہ علماء کے پاس جانا یا سکول و کالج میں تعلیم حاصل کرنا یا ڈاکٹر کے پاس بغرض علاج جانا، یہ تو دنیاوی اسباب کا وہ سلسلہ ہے جو خود اللہ تعالٰی نے قائم فرمایا ہے اور ان اسباب کو اختیار کرنے کا اُس نے حکم دیا ہے۔ کیونکہ نظامِ کائنات اسی اسباب کے مطابق چل رہا ہے۔ یہ اسباب اگر اختیار نہیں کئے جائیں گے تو زندگی کا نظام ایک لمحے کے لئے بھی نہیں چل سکے گا۔ ان اسباب کا اختیار کرنے والا مُشرک کیونکر ہو سکتا

ہے جو بحث تو ہے ساری ما فوق الاسباب طریق پر کسی کو پکارنے اور اس سے استمداد واستعانت کرنے کے بارے میں۔ ایک شخص زندہ ہے آپ اس سے کہیں میرا یہ کام کردے، یا مجھے تھپڑ مار یا اور کوئی کام کہیں، وہ آپ کے کہنے کے مطابق سب کچھ کرے تو یہ تو ٹھیک ہے۔ دنیا کا سارا کام اسی طرح چل رہا ہے۔ لیکن ایک شخص فوت ہو گیا ہے۔ مَنوں مٹی کے نیچے مدفون ہے بلکہ اس کی ہڈیاں تک بھی مٹی میں رل مل گئی ہیں، اب ایسے مُردے کو مدد کے لئے پکارنا کہ میرا فلاں کام کردے، میری فلاں حاجت پوری کردے۔ اس کو نفع نقصان کا مالک سمجھے، اس میں کائنات کے اندر تصرف کرنے کا اختیار تسلیم کرے۔ اسے عالم الغیب اور سمیع وبصیر سمجھے، تو یہ ہے ما فوق الاسباب طریق پر پکارنا جو یقیناً شرک ہے۔ زندہ اور مُردہ کو یکساں سمجھنا بلکہ مُردوں کو اللہ تعالےٰ کی طرح مختارِ کل سمجھنا اور زندوں سے بھی زیادہ ان میں قوّت وطاقت تسلیم کرنا، ایسی نادانی ہے جس کے ڈانڈے شرکِ صریح سے ہی ملتے ہیں۔

آگے ارشاد ہوتا ہے:۔

"شرک ظلم عظیم ہے، اس کی معافی نہیں۔ اس لئے کسی مسلمان کو بے سوچے سمجھے مشرک کہنے سے احتراز کرنا چاہیئے۔"

بلا شُبہ شرک ظلم عظیم ہے جس کی معافی نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جماعت اہل حدیث سب سے زیادہ اسی مسئلے کو اہمیّت دیتی ہے اور لوگوں کو شرک سے بچانے کی سعی کرتی ہے۔ جماعت اہل حدیث کو خواہ مخواہ لوگوں کو "مشرک" کہنے میں کوئی مزا نہیں آتا۔ اسے تو یہ دیکھ کر سخت روحانی تکلیف ہوتی ہے کہ اُمّتِ محمدیّہ کے جاہل عوام، جنہیں توحید کا پاسبان ہونا چاہیئے تھا، قبروں کے ساتھ وہ سب کچھ کر رہے ہیں جو مشرک اپنے بتوں کے ساتھ کرتے ہیں۔ اور قبروں میں مدفون بزرگوں کو اُن اختیارات کا حامل سمجھتے ہیں۔ جو صرف اللہ کے ساتھ خاص ہیں۔ اب تمام مشرکانہ امور کو روا

رکھنے اور مشرکانہ عقیدہ رکھنے کے باوجود کالم نگار کی یہ خواہش کہ کسی مسلمان کو بے سوچے سمجھے مشرک نہیں کہنا چاہیئے۔ بڑی عجیب ہے۔ حالانکہ ہم پہلے صراحت کر آئے ہیں کہ مذکورہ امور کے مرتکبین کو خود فقہ حنفی کافر و مشرک اور بت پرستوں کے مشابہ قرار دے رہی ہے۔ کیا ان کا خیال ہے کہ حنفی فقہاء نے بھی "بے سوچے سمجھے" یوں ہی فتوے داغ دیئے ہیں، دوسرے لفظوں میں اپنی "بے بصیرتی" کا ثبوت فراہم کیا ہے۔ اور صاحب بصیرت ہوئے ہیں تو صرف یہی "نورِ بصیرت" لکھنے والے میاں عبدالرشید صاحب جن کو شرکِ صریح و جلی بھی شرک نہیں معلوم ہوتا ؎

خرد کا نام جنوں رکھ دیا اور جنوں کا خرد

جو چاہے آپ کا "قلم" کرشمہ ساز کرے

بہر حال موصوف کی یہ وہی خواہش ہے جس کے متعلق حالی نے کہا ہے ؎

مگر مومنوں پر کشادہ ہیں راہیں

پرستش کریں شوق سے جس کی چاہیں

کچھ بدعات کے بارے میں

بدعت کے بارے میں "نوائے وقت" کے کالم نگار لکھتے ہیں :۔

" بدعت وہ چیز ہے جو دین میں بالکل نئی ہو جس کا پہلے سرے سے وجود ہی نہ ہو۔ مثلاً جناب رسول پاک ؐ کے دور میں سبحان اللہ، الحمدللہ، اللہ اکبر انگلیوں کے پوروں پر گنا کرتے تھے۔ اب اگر کوئی اس مقصد کے لئے تسبیح استعمال کرلے تو اسے بدعت نہیں کہا جائے گا۔ اسی طرح اس دور میں قرآن پاک کا ترجمہ نہیں تھا مگر چونکہ قرآن پاک پہ غور و تدبر ہوتا تھا اور ترجمہ بھی قرآن پاک کو سمجھانے ہی کی کوشش ہے۔ اس لئے ترجمۂ قرآن پاک کو بدعت نہیں کہا جائے گا۔ اس دور میں قرآن پاک

سمجھانے کے لئے یہ طریقہ اختیار نہیں کیا جاتا تھا جسے ہم آج کل عرفِ عام
میں درس کہتے ہیں اور جس میں لوگ حلقہ بنا کر بیٹھتے ہیں لیکن چونکہ اس میں
قرآن پاک پر غور ہوتا ہے اس لئے یہ طریقہ بدعت نہیں کہلائے گا۔ اسی طرح
حلقہ بنا کر ذکر کرنا بھی بدعت نہیں، کیونکہ قرآن پاک میں بار بار ذکر کرنے
کا حکم ہے اور حضورِ اکرمؐ کے دورِ مبارک میں ذکر ہوتا تھا،" (نوائے وقت"
لاہور ۲ ستمبر ۱۹۸۰ء)

اس کے بعد ۳ ستمبر کی دوسری قسط میں انہوں نے اس انداز کی چند باتیں اور کی
ہیں (جنہیں اگر ضرورت ہوئی تو آگے چل کر نقل کیا جائے گا) اور یہ لکھا ہے کہ ہر ایک چیز
کو شرک و بدعت کہنے سے اجتناب کرنا چاہیئے یعنی جس طرح شرک کے معاملے میں
موصوف کا یہ فرمانا تھا کہ کوئی مسلمان شرک کا ارتکاب نہیں کرتا اس لئے کسی مسلمان کو
مشرک نہ کہا جائے۔ اسی طرح موصوف کا خیال" بدعات "کے بارے میں ہے کہ کسی
کام کو بدعت نہ کہو۔ حالانکہ بدعت کی جو تعریف خود موصوف نے کی ہے۔ اس کی رُد
سے دسیوں اور بیسیوں کام ایسے ہیں جو قبر پرستوں میں عام ہیں، وہ بدعات کے ذیل میں
آتے ہیں حالانکہ انہیں بدعت نہیں سمجھا جاتا بلکہ امرِ دین سمجھا جاتا ہے۔ مثلاً
مُردوں کے لئے تیجہ، ساتواں، چالیسواں، قرآن خوانی، قل شریف، مُردے کو
دفنانے کے بعد چالیس قدم پر آکر دعاء مانگنا یا نمازِ جنازہ کے فوراً بعد ہاتھ اٹھا کر دعاء
کرنا اور دفنانے کے بعد قبر پہ کھڑے ہو کر اذان دینا، ہر جمعرات کو روحوں کی واپسی کا
عقیدہ، شب برات کی رسمیں، رجب کی بدعات (کونڈے، صلوٰۃ الرغائب
وغیرہ) یومِ میلاد کا جلوس اور چراغاں وغیرہ، اذان سے قبل صلوٰۃ و سلام کا اضافہ،
محفلِ میلاد میں صلاۃ و سلام کے وقت دست بستہ قیام، کیا یہ تمام امور بدعات
نہیں ؟ کیا انہیں دین اور ثواب کا کام سمجھ کر نہیں کیا جاتا ؟ موصوف نے جو مثالیں دی

ہیں۔ ان میں ایک تو تسبیح کی مثال ہے۔ تسبیح بجائے خود ایک امر دین نہیں، ایک آلۂ عدد ہے (یعنی گنتی شمار کرنے کی ایک چیز ہے) لیکن اس کے باوجود اس کے استعمال کی بابت علماءؒ میں اختلاف ہے۔ کئی علماء اس کے استعمال کو بھی "بدعت" قرار دیتے اور اس کے استعمال سے روکتے ہیں۔

قرآن پاک کے ترجمے کی مثال بالکل غلط ہے۔ آخر قرآن کو سمجھانے کے لیے ہر علاقے کے علماء اپنی اپنی زبان استعمال کرتے ہیں۔ ترجمہ بھی اسی تفہیم کی ایک شکل ہے جو دین میں اضافہ نہیں بلکہ قرآن وحدیث ہی سے اس کا جواز مفہوم ہوتا ہے۔ یہ بدعت کے ذیل میں آتا ہی نہیں ہے۔

البتہ درسِ قرآن پاک کے حلقے سے حلقہ ہائے ذکر کا اثبات غلط ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرامؓ کو خطاب فرماتے تھے تو قدرتی طور پر حلقہ بن ہی جاتا ہوگا لیکن آج کل ذکر کے جو مخصوص حلقے بنا لئے گئے ہیں، ان سے اس حلقۂ درسِ قرآن کا کیا تعلق؟ دونوں میں آسمان زمین کا فرق ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس قسم کا ایک حلقۂ ذکر ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے دیکھا تو اس پر بڑے غضب ناک ہوئے اور اسے "ضلالت" قرار دیا۔ چنانچہ یہ واقعہ سُنن دارمی میں موجود ہے۔ ہم یہ پورا واقعہ ذیل میں نقل کرتے ہیں۔

قال ابو موسیٰ (الاشعری) رضی اللہ عنہ (لابن مسعود رضی اللہ عنہ) اِنِّیْ رَاَیْتُ فِی المسجد انفًا امرًا انکرتہ ولم ار والحمد للہ خیرًا قال فما ھو فقال ان عشت فستراہ قال رأیت فی المسجد قومًا حلقًا جلوسًا ینتظرون الصلوٰۃ فی کل حَلْقَۃٍ رجل و فی ایدیھم حصًی فیقول کَبِّرُوْا مِائَۃً فیکبّرون مِائَۃً فیقول ھَلِّلُوْا مِائَۃً فیھلّلون مِائَۃً ویقول سَبِّحُوْا مِائَۃً

يُسَبِّحُونَ مائةً قال فماذا قلتَ لهم قال ما قلت لهم شيئًا انتظار رأيك او انتظار امرك قال افلا امرتهم ان يعدوا سيئاتهم وضمنت لهم ان لا يضيع من حسناتهم ثم مضى ومَضَيْنا معه حتى اتى حَلَقَةً من تلك الحِلَقِ فوقف عليهم فقال ما هذا الذی اراكم تصنعون؟ قالوا يا ابا عبد الرحمٰن حصًى نعد به التكبير والتهليل والتسبيح قال فعدُّوا سيأتكم فانا ضامنٌ ان لا يضيع من حسناتكم شئٌ وَيحَكُمْ يا اُمَّةَ محمّدٍ ما اَسْرَعَ هلكتكم هؤلاء صحابة نبيّكم صلّى الله عليه وسلّم متوافرون وهذه ثيابه لم تبل وآنيته لم تكسر والذی نفسی بيده انكم لعلى ملّةٍ هی اهدى من ملّة محمّد او مفتّحوا باب ضلالةٍ قالوا والله يا ابا عبد الرحمٰن ما اردنا الّا الخير- قال و كم من مُريدٍ للخير لَنْ يُصِيبَهُ - ان رسول الله صلّى الله عليه وسلّم حدثنا ان قومًا يقرءون القرآن لا يجاوز تراقيهم وايم الله ما ادری لعل اكثرهم منكم ثم تولى عنهم فقال عمرو بن سلمة رأينا عامة اولئك الحلق يطاعنونا يوم النهروان مع الخوارج (سنن دارمی، ص ۶۸- ۶۹ ج ۱ باب فی كراهية اخذ الرأی)

(امام دارمی یہ روایت لائے ہیں کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری نے حضرت

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس جا کر کہا: میں نے مسجد میں کچھ لوگوں کو گول دائروں (حلقوں) میں بیٹھے ہوئے دیکھا ہے جو نماز کا انتظار کر رہے تھے اور ان کے ہاتھوں میں چھوٹی چھوٹی کنکریاں ہیں اور دائرے میں ایک آدمی ہے جو کہتا ہے سو مرتبہ اَللّٰہُ اَکْبَر کہو تو لوگ اس کی اقتدار میں اَللّٰہُ اَکْبَر کہتے ہیں۔ پھر وہ کہتا ہے سو مرتبہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کہو پھر وہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کہتے ہیں۔ اس کے بعد وہ کہتا ہے سو مرتبہ سُبْحَانَ اللّٰہ کہو۔ پھر وہ سُبْحَانَ اللّٰہ کہتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے یہ سن کر حضرت ابوموسیٰ اشعری سے کہا "تم نے یہ دیکھ کر ان کو کیا کہا؟" ابوموسیٰ اشعری نے جواب دیا "میں نے تو ان کو کچھ نہیں کہا"۔ آپ کی رائے اور حکم کا منتظر ہوں۔" آپ نے فرمایا تم نے انہیں یہ حکم کیوں نہیں دیا کہ اس کی بجائے وہ اپنے گناہوں کا شمار کریں اور نیکیاں ضائع نہ ہونے کی تم ان کو ضمانت دیتے۔ اس کے بعد عبداللہ بن مسعودؓ خود تشریف لائے اور ان حلقوں (گول دائروں) میں سے ایک حلقے کے قریب کھڑے ہو کر فرمایا: تم یہ کیا کر رہے ہو؟ انہوں نے جواب میں کہا۔ ابوعبدالرحمن (عبداللہ بن مسعود کی کنیت) ہم (ان کنکریوں کے ذریعے) تکبیر، تہلیل اور تسبیح گن رہے ہیں۔ فرمایا اس کے بجائے اپنے گناہ گنو۔ میں تمہیں ضمانت دیتا ہوں کہ تمہاری نیکیوں میں سے کوئی چیز ضائع نہیں ہوگی۔ اس کے بعد فرماتے ہیں۔ اے امتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم! تم کس قدر جلدی ہلاکت کی طرف چل پڑے ہو، ابھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ بڑی تعداد میں موجود ہیں اور آپ کے کپڑے بھی پرانے نہیں ہوئے اور نہ ابھی آپ کے برتن ٹوٹے ہیں (یعنی آپ کے انتقال کو زیادہ مدت نہیں ہوئی) مجھے اس ذات کی قسم ہے جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، یا تو تم نے کوئی ایسا دین دریافت کر لیا ہے جس میں دینِ محمدؐ سے زیادہ ہدایت ہے اور یا تم گمراہی کے دروازے کھول رہے ہو؟ انہوں نے (یہ ورد و وظیفہ کرنے والوں نے) کہا

انہوں نے کہا۔ اے ابوعبدالرحمٰن خدا کی قسم ہماری نیت تو صرف نیکی حاصل کرنے کی ہے۔ تو جواب میں عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کتنے ہی نیکی کی نیت سے عمل کرنے والے اُس سے محروم رہتے ہیں" (اس کے بعد انہوں نے یہ حدیث بیان فرمائی کہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کچھ لوگ ہوں گے جو قرآن پڑھیں گے، لیکن ان کے حلقوں سے تجاوز نہیں کرے گا" اللہ کی قسم، ایسے لوگ شاید تم ہی میں سے زیادہ ہوں" پھر آپ وہاں سے چلے گئے۔ حضرت عمرو بن سلمہ بیان کرتے ہیں کہ جنگ نہروان میں ان (حلقہ باندھ کر ذکر کرنے والوں) کی اکثریت خوارج کے ساتھ تھی اور ہم مسلمانوں پر تیر زنی کر رہی تھی۔"

اس واقعے میں دیکھ لیجئے کہ ایک جلیل القدر صحابیٔ رسول اُس حلقۂ ذکر کو بابِ ضلالت کھولنے کے مترادف قرار دے رہے ہیں۔ جسے موصوف سندِ جواز عطا کر رہے ہیں۔ ہم نے یہ پورا واقعہ اسی لئے نقل کیا ہے کہ اس سے سُنّت و بدعت کی حقیقت واضح ہوتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ دین میں اپنی طرف سے کوئی طریقہ ایجاد کرنا بھی بدعت ہے۔ موصوف کی یہ دلیل حلقۂ ذکر کے اثبات میں کیسی مضحکہ خیز ہے کہ۔

"حلقہ بنا کر ذکر کرنا بدعت نہیں کیونکہ قرآن پاک میں بار بار ذکر کرنے کا حکم ہے اور حضور اکرمؐ کے دَورِ مبارک میں ذکر ہوتا تھا۔"

اس طرزِ استدلال کو ذرا عام کر دیا جائے تو دین ایک بازیچۂ اطفال بن کر رہ جائے گا۔ کل کلاں کو ایک شخص کہے کہ نماز پانچ وقت کے بجائے چھے وقت پڑھنی چاہیئے۔ یا ظہر وعصر اور عشاء کے چار فرائض کے بجائے آٹھ فرض رکعتیں پڑھنی چاہئیں کیونکہ قرآن نے نماز کی بڑی تاکید کی ہے اور عہدِ رسالتؐ اور عہدِ صحابہؓ و تابعینؒ میں بڑی پابندی سے مسلمان فریضۂ نماز ادا کرتے تھے۔ زکوٰۃ ڈھائی فی صد کے بجائے ۵ فی صد ہونی چاہیئے۔ کیونکہ قرآن نے زکوٰۃ کی بھی بڑی تاکید کی ہے۔ اور خلیفۂ اول نے منکرینِ زکوٰۃ سے

جہاد کیا تھا۔ سچ فرمایئے صلاۃ و زکوٰۃ میں اضافے اور اس کے لئے نئے طریقے ایجاد کرنے کے لئے کیا یہ دلیل فی الواقع کوئی اہمیت رکھتی ہے کہ "قرآن میں اس کا بار بار ذکر ہے "؟

بار بار ذکر ہونے کا یہ مطلب کس طرح ہو گیا کہ اس کام کو آپ جس طرح چاہیں کرلیں؟ بار بار ذکر سے تو صرف اس کی اہمیت ہی معلوم ہوتی ہے نہ کہ اس سے نئے طریقے ایجاد کرنے کی اجازت نکلتی ہے۔ اُسے کرنا تو اُسی طریقے سے پڑے گا، جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہے اس کی ساری اہمیت اسی پیروی اتباعِ سُنت میں ہی ہے۔ اگر یہی چیز (اتباعِ سنت) مفقود ہو گئی تو اس کی ساری اہمیت ہی ختم ہو گئی۔ وہ سرے سے خیر ہی نہیں رہا۔ سراسر شر بن گیا۔ سُنت نہیں بدعت ہو گیا اور ثواب کے بجائے گناہ کا کام ہو گیا۔

اس لئے محترم! بدعت کی وہ تعریف جو کہ آپ نے کی ہے یعنی :۔

"جو دین میں بالکل نئی ہو جس کا پہلے سرے سے وجود ہی نہ ہو"

جامع و مانع نہیں۔ اسے جامع و مانع بنانے کے لئے بدعت کی تعریف میں یہ چیز بھی ماننی پڑے گی کہ :۔

اس کے اسباب و دواعی بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں موجود ہوں۔ اور کوئی خاص اَمر بھی مانع نہ ہو۔ اس کے باوجود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اختیار نہ کیا ہو۔ تو وہ کام بدعت ہوگا۔ نیز اَمرِ مشروع و مسنون میں بطورِ مبالغہ اضافہ بھی مُحدَث یعنی بدعت ہوگا۔

مثال کے طور پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بھی مسلمان مرتے رہے، ان کی مغفرت کے لئے قرآن خوانی کے لیے قرآن بھی موجود تھا لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے (باوجود اسباب و دواعی کے) مغفرت کے لئے نہ قُل شریف کئے نہ قرآن خوانی کی،

صرف نمازِ جنازہ کا اہتمام کیا اور دفنانے کے بعد قبر پہ کھڑے ہو کر مغفرت کی دعا کی۔ اِس اعتبار سے مُردے کی مغفرت کے لئے نمازِ جنازہ اور دعائے مغفرت بعد از تدفین کے علاوہ جو کچھ اَب کیا جاتا ہے۔ مثلاً قل شریف، قرآن خوانی، تیجہ، ساتواں، چالیسواں، حیلۂ اسقاط وغیرہ یہ سب اُمورِ محدثات (بدعات) ہوں گے۔ البتہ ایصالِ ثواب کے وہ طریقے اختیار کرنے جائز ہیں جو مختلف احادیث سے ثابت ہیں۔

اسی طرح کسی اَمرِ مشروع و مسنون میں بطورِ تعبّد مبالغۃً اضافہ بھی بدعت ہوگا۔ اس کی وضاحت کے لئے خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دَور کا وہ واقعہ کافی ہے، جو احادیث میں تین شخصوں کا آتا ہے کہ ایک شخص نے ساری رات جاگ کر عبادت کرنے، دوسرے نے (بلاناغہ) ہمیشہ روزے رکھنے اور تیسرے نے شادی سے اجتناب کرنے کا عزم ظاہر کیا۔ اَور مقصد ان تینوں کا زیادہ سے زیادہ اللہ کی عبادت تھا لیکن جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے عزائم کا پتہ چلا تو آپؐ نے فرمایا کہ میں رات کو سوتا بھی ہوں اور کچھ وقت جاگ کر عبادت بھی کرتا ہوں، کبھی روزہ رکھ لیتا ہوں، کبھی ترک کر دیتا ہوں، میں نے شادیاں بھی کی ہیں اور حقوقِ زوجیت بھی ادا کرتا ہوں۔ اب تم نے جو مذکورہ عہد کئے ہیں، اگرچہ تمہارا مقصد ان سے اللہ کی زیادہ سے زیادہ عبادت ہی ہے لیکن یہ طریقے میری سُنّت کے خلاف ہیں۔ اور جو میری سُنّت سے اعراض کرے گا، اس کا کوئی تعلق مجھ سے نہیں ہے۔ فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِيْ فَلَيْسَ مِنِّيْ (صحیح بخاری و مسلم۔ مشکوٰۃ، ص ۲۷)

اِس حدیث سے روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ کسی بھی اَمرِ مشروع و مسنون میں مبالغہ کے طور پہ بہ نیّتِ تعبّد و تقرب جو بھی اضافہ کیا جائے گا وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت کے خلاف اور اَمرِ مُحدَث (بدعت) ہوگا۔

سلطان عبدالعزیز، حرمین شریفین اور انہدام قبور

شریعت، تاریخ اور واقعات کی روشنی میں

۲۔۳۔۴ اگست ۱۹۸۴ء کو لاہور میں ایک دو روزہ "حج سیمینار" کا انعقاد عمل میں آیا۔ روزنامہ نوائے وقت کی اطلاع کے مطابق ارباب انتظام اور داعیان پس پردہ رہے حتیٰ کہ دعوت ناموں میں بھی کسی کا نام درج نہیں تھا۔ بعد میں ایک اعلان کے ذریعے چار افراد کے نام اس سلسلے میں ظاہر کئے گئے۔ راقم ان ناموں یا ان کی سیاسی و مذہبی تنظیموں کے بارے میں فی الحال کچھ عرض کرنا نہیں چاہتا۔ تاہم اتنا عرض کئے بغیر چارہ بھی نہیں کہ ابتدائے امر میں پردہ داری کا اہتمام بے سبب نہیں۔ بقول غالبؔ ؎

بے خودی بے سبب نہیں غالبؔ
کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

اور اس پردہ داری کی پردہ دری اس وقت ہوگئی جب ۵۔ اگست کے اخبارات میں سیمینار کی روداد اور اس کی قراردادیں شائع ہوئیں جس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ "قومی حج سیمینار" کے نام پر چند مخصوص افراد یا گروہ نے سیاسی مقاصد اور حزبی اغراض کے لئے یہ اجتماع بلایا تھا۔

حرمین شریفین کے سلسلے میں جو قرارداد اس اجتماع میں پیش کی گئی ہے۔ مقام شکر ہے کہ اس کی تردید و مذمت اجتماع میں شریک ایک نمائندے نے ہی دوسرے روز کے اخبارات میں کردی ہے۔ جس میں انہوں نے واشگاف الفاظ میں کہا کہ اس سیمینار کی آخری نشست میں "ایسے اعلانات کئے گئے ہیں جن سے نہ صرف مجھے بلکہ امت مسلمہ کے کسی بھی باشعور فرد کو اتفاق نہیں ہوسکتا۔ انہوں نے کہا حرمین شریفین مراکز عقیدت و محبت اور مراکز عبادت

ہیں اور دنیا کا کوئی بھی مسلمان ان مراکز کو سیاسی مقاصد کے لیئے استعمال کرنے کی اجازت نہیں دے سکتا۔ انہوں نے ایسے عناصر کی مذمت کی جو سرزمین مقدس کو سیاسی جھگڑوں کی آماجگاہ بنانا چاہتے ہیں اور حرمین شریفین کے تقدس کو اپنے دینی مقاصد کی بھینٹ چڑھانا چاہتے ہیں" (نوائے وقت ۶۔ اگست ۱۹۸۴ء)

یہ وضاحت و اعلان اس قرارداد کی مذمت کے لیئے کافی ہے جس میں حرمین شریفین کی تولیت عالم اسلام کے نمائندوں کی کمیٹی کے سپرد کرنے کا مطالبہ کیا گیا ہے۔ اس لیئے ہم اس پر مزید گفتگو کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔ یہ انتہائی عاقبت نا اندیشانہ مطالبہ ہی نہیں بلکہ سخت شر انگیز بات ہے جو یکسر ناقابل قبول ہے۔

بعض مطالبات ایسے ہیں جو سعودی حکومت کی داخلی پالیسی سے متعلق ہیں جس میں اسے شریعت اور اخلاق کے دائرے میں رہتے ہوئے اپنانے کا حق حاصل ہے۔ ایسے مطالبات کا مقصد بھی شر انگیزی اور ایک برادر اسلامی ملک کے خلاف غلط پروپیگنڈے کے سوا کچھ نہیں

البتہ اجتماع کی یہ قرارداد ذرا وضاحت طلب ہے جس میں

"مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں مقامات مقدسہ کو منہدم کرنے کی مذمت کی گئی اور حکومت سعودی عرب سے ان کی دوبارہ تعمیر کے ساتھ ساتھ مسلم ممالک کے نمائندوں پر مشتمل مقامات مقدسہ کی تعمیر نو کمیٹی تشکیل دیئے جانے کا مطالبہ کیا گیا۔ (نوائے وقت ۵۔ اگست ۱۹۸۴ء)

یہ قرارداد مذمت اس لیئے وضاحت طلب ہے کہ اس میں "مقامات مقدسہ" کے انہدام کا الزام سعودی حکومت پر لگایا گیا ہے جس سے عوام میں سعودی حکومت کے خلاف ایسی غلط فہمیاں پھیلیں گی جس سے سعودی حکومت کا دامن پاک ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ حرمین شریفین میں مسلمانوں کے "مقامات مقدسہ" حرم کعبہ، مسجد نبوی، روضہ رسول ؐ اور دیگر مساجد ہیں اور یہ بحمداللہ تمام کے تمام نہ صرف محفوظ ہیں بلکہ ان کا انتظام ایسے اعلیٰ پیمانے پر سعودی حکومت نے سنبھالا ہوا ہے جسے انسانی مساعی کی آخری حد کہا جا سکتا ہے جس کی تصدیق ہر حاجی کرے گا۔

اب سوال یہ ہے کہ ان کے علاوہ وہ کون سے "مقامات مقدسہ" ہیں جن کے انہدام

کا الزام سعودی حکومت پر لگایا گیا ہے۔ تو حقیقت یہ ہے کہ یہ آج سے ساٹھ سال قبل کا واقعہ ہے جب سعودی حکومت کے بانی یعنی والی نجد و حجاز سلطان عبدالعزیز مرحوم نے شریعت اسلامیہ کے مطابق ان تمام قبروں کو جو قبہ نما بنی ہوئی تھیں اور شریعت سے بے خبر عوام وہاں غیر شرعی حرکات کرتے تھے۔ ڈھا دیا تھا اور ان کو عام سادہ قبروں کی طرح بنا دیا تھا تاکہ عوام آئندہ اس گمراہی میں مبتلا نہ ہوں جس طرح پہلے چلے آرہے تھے۔ ان پختہ قبروں اور قبوں کو ہی قرارداد میں "مقامات مقدسہ" کہا گیا ہے۔ قبریں بالخصوص صحابہ کرامؓ اور اولیائے عظام کی قبریں بلاشبہ قابل احترام ہیں جن کی بے حرمتی قطعاً جائز نہیں لیکن اگر قبریں پختہ کر دی جائیں اور ان پر قبہ نما عمارتیں بنادی جائیں تو شریعت اسلامیہ کے مطابق قبروں کی پختگی کو ختم کر کے اور قبوں کو ڈھا کے ان کو عام قبروں میں تبدیل کر دینا، قبروں کی بے حرمتی قطعاً نہیں ہے بلکہ یہ عین اسلام ہے اور حدیث کی صحیح ترین کتاب "صحیح مسلم" میں ابوالہیاج اسدی کی یہ روایت موجود ہے کہ "مجھے حضرت علیؓ نے کہا، "ابوالہیاج! کیا میں تمہیں اس کام پر مامور نہ کروں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے کروایا تھا اور وہ یہ ہے کہ جاؤ جو بھی تصویر، مجسمہ (تمثال) تمہیں نظر آئے اسے مٹا دو۔ اور جو قبر زیادہ اونچی ہو، اسے برابر کر دو"۔ (صحیح مسلم، کتاب الجنائز، باب الامر بتسویۃ القبر)

سلطان عبدالعزیز نے یہی کام کیا ہے جس کی وضاحت اور تاکید حضرت علیؓ کی اس روایت میں ہے۔ اس سے زیادہ انہوں نے کچھ نہیں کیا۔ کسی قبر کی بے حرمتی نہیں کی۔ کسی مقام مقدس کو انہوں نے نہیں ڈھایا۔ لیکن بدقسمتی سے برصغیر پاک و ہند میں جو اسلام رائج ہے اس میں پختہ قبریں اور ان پر قبوں کی تعمیر نہ صرف جائز ہے بلکہ وہاں پوجا پاٹ کے دیگر مراسم بھی بکثرت بجالائے جاتے ہیں۔ اس لئے اس قسم کے لوگوں نے اس وقت بھی سلطان عبدالعزیز کے خلاف یہی پروپیگنڈہ کیا تھا جس کا اعادہ اب ۶۰ سال کے بعد زیر بحث قرارداد میں کیا گیا ہے۔

یہ ۱۹۲۴ء - ۱۹۲۵ء کا واقعہ ہے۔ راقم چاہتا ہے کہ اس کی ضروری تفصیل یہاں پیش کر دی جائے تاکہ ایک تو پروپیگنڈے کی حقیقت واضح ہو جائے۔ دوسرے سلطان

عبدالعزیز کے اقدام کی نوعیت سے لوگ آگاہ ہوجائیں اور عوام کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہوں۔ اس سلسلے کے حقائق و واقعات اُس دور میں شائع ہو چکے ہیں جب سلطان عبدالعزیز (والد شاہ فیصل و شاہ خالد و شاہ فہد وغیرہ) نے سرزمین حرمین سے شریف حسین مکہ (جو انگریز کا حمایتی و طرفدار تھا اور جس نے عملاً عالمِ اسلام کے مسلمانوں کے لیئے حج کرنا انتہائی دشوار کر دیا تھا) کا اقتدار ختم کرکے نجد و حجاز کا انتظام سنبھالا اور تمام پختہ قبریں مسمار کرکے ان کو شریعت اسلامیہ کے مطابق کر دیا تھا۔ سلطان کے اس اقدام کو چونکہ خلاف شریعت ثابت نہیں کیا جا سکتا تھا، اس لیئے توہّم پرست لوگوں نے الزام تراشی کا راستہ اختیار کرکے اپنے دل کا بخار نکالا اور اس طرح کی من گھڑت چیزیں پھیلائیں کہ سلطان عبدالعزیز نے کئی مسجدیں مسمار کر دی ہیں، قبروں کی بے حرمتی کی ہے اور یہ شخص اب روضۂ رسول ؐ کی بےحرمتی کرنے سے بھی باز نہیں آئے گا، وغیرہ وغیرہ۔

چنانچہ اس دور میں تحقیق حال کے لیئے ہندوستان (متحدہ ہند) سے علماء کا ایک وفد مرکزی خلافت کمیٹی کی طرف سے (جس میں چوٹی کے علماء داعیان اور ممبران کونسل شامل تھے) خود حجاز گیا اور وہاں کے تمام حالات کا جائزہ لیا اور وہاں کے افسرانِ بالا اور خود سلطان عبدالعزیزؒ سے مل کر اصل حالات معلوم کیئے۔ اس وفد نے وہاں سے واپس آکر جو رپورٹ دی وہ اس وقت شائع ہو گئی تھی۔ یہاں اس رپورٹ سے چند اہم اقتباسات پیش کیئے جاتے ہیں تاکہ انہدام قبور و قباب کے الزام کی حقیقت واضح ہو جائے۔

وفد مذکور نے جب مآثر و مقابر کے گرانے سے متعلق استفسار کیا تو سلطان نے اس کے جواب میں جو کہا وہ وفد کے الفاظ میں حسب ذیل ہے۔

" مآثر مبانی کی سردست اس طرح اصلاح کرا دی جائے گی کہ ان کا احترام قائم رہے اور یہ محفوظ رہیں لیکن ان کی دوبارہ تعمیر کے متعلق انہوں نے صاف صاف فرمایا کہ بلاد مقدسہ میں صرف شریعت اسلامیہ ہی کے موافق فیصلہ کیا جائے گا اور اسی قانون شرعی کا یہاں نفاذ ہوگا جس کی تشریح سلف صالح اور آئمہ اربعہ نے کی ہے۔ اگر دنیا کے محققین علماء اس کا فیصلہ کر دیں کہ دوبارہ ان مآثر کا تعمیر کرنا ضروری ہے تو میں سونے چاندی سے انہیں تعمیر

کرانے کے لئے مستعد ہوں۔ اسی طرح مدینہ منورہ کے تمام مآثر اور مبانی کا جو دنیا کے محققین علماء فیصلہ کریں گے اس کے موافق عمل کیا جائے گا اور علماء کے فیصلے سے قبل کی تمام چیزیں اصلی شکل پر قائم رکھی جائیں گی۔ البتہ روضۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کسی بحث کی ضرورت نہیں۔ اس کا تحفظ اور بقاء ہر مسلمان کے لئے فرض ہے اور جس کی حفاظت کے لئے میں یہ اعلان کرتا ہوں کہ میں اپنی جان اور تمام خاندان کو اس پر قربان کر دوں گا۔ اس لئے میں نے مدینہ منورہ میں ایسی فوج بھیجی ہے جو مصالح شناس ہے اور انشاء اللہ وہ تمام مآثر کا احترام ملحوظ رکھے گی"۔

ہم وفد نے صرف اسی زبانی گفتگو پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ ان تمام مسائل کے متعلق سلطان عبدالعزیز سے ایک ابلاغ لکھوالیا جو رپورٹ کے ساتھ منسلک ہے"۔

وفد مذکور نے سلطان مرحوم سے جو تحریری بلاغ (اعلان) حاصل کیا تھا، اس کا ترجمہ رپورٹ ہٰکا سے درج ذیل ہے۔

اعلانِ عام

عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن الفیصل السعود کی طرف سے مشرق و مغرب کے مسلمانوں کے نام

الحمد للہ الذی لا الٰہ الا ھو۔ والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ محمد

جو روز قیامت میں شفیع ہوں گے۔

امابعد! یہ کہ میں نے وفد جمعیت خلافت ہند اور جمعیۃ العلماء کے نمائندوں سے ان مسائل کے متعلق گفتگو کی جن کا علم مسلمانوں کو ضروری ہے اور جن کے متعلق ہمارے خیالات کی حقیقت جاننا اہم ہے۔ پورے اخلاص و صراحت کے ساتھ گفت و شنید ہوئی اور خدا کا شکر ہے ہمارے اور ان کے درمیان تمام مسائل زیر بحث میں پورا اتفاق ہوگیا۔

حق کے دشمن اور باطل کے دوست افتراء کر رہے ہیں اور مسلمانوں میں تفرقہ پھیلانے اور [illegible] باطل سے اللہ کے نور کو بجھانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ وہ سیدھے سادے مسلمانوں کے [illegible] غلط خیالات پیدا کر رہے ہیں جنہیں حقیقت حال کا پتہ نہیں ہے اور جو نہیں [illegible]

جانتے کہ ہماری پالیسی کیا ہے؟ ان افترا پردازیوں کے تدارک کے لئے میں حسب ذیل اعلان کرتا ہوں جس سے دلائل کی روشنی میں حق و باطل کی تمیز ہو جائے گی۔

(۱) میں ان قوموں کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے ہمارے ساتھ حق کی مدافعت کی اور ہندوستانی قوم کا خاص طور سے شکر گزار ہوں کہ اس نے ایسے وقت میں عربوں کی حمایت کا بیڑا اٹھایا اور ان کے تصفیے کی طرف توجہ کی جبکہ عرب خود آپس کی آویزش و عداوت میں مبتلا ہو کر اپنے دینی اور وطنی فریضے کو بھول چکے تھے۔ میں اس لئے بھی مسلمانان ہند کا خاص طور سے شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے سب سے پہلے میری دعوت پر لبیک کہی۔ خدا انہیں بہتر جزا دے۔

(۲) میں اب بھی اسی قول پر قائم ہوں جس کا اظہار میں نے عالم اسلامی کو دعوت دیتے وقت کیا تھا۔ مؤتمر کے انعقاد کی ضرورت ہے جو ان امور پر غور کرے جو حجاز کے تمام مسلمانوں کے لئے اہمیت رکھتے ہیں۔ راستے کی اصلاح و حفاظت، ہر زائر کے لئے راحت و آرام کے وسائل کی فراوانی، ڈاک وغیرہ کے امکان کی سہولت۔ ایسے امور کے انتظام کے متعلق حجاز میں ہم اور وہ مل کر ذمہ داری قبول کریں۔ راستے کھلنے کے بعد ہی[1] عنقریب ایسی مؤتمر اسلامی کی دعوت پھر دی جائے گی۔

(۳) حجاز کی کامل آزادی کی حفاظت ہم اپنی جان تک سے کریں گے کہ غیر مسلم کا اثر حجاز میں قائم نہ ہو[2]۔ اس میں ہمارے دین و شرف کی حفاظت ہے۔

(۴) بلادِ مقدسہ کا قانونِ عام شریعتِ اسلامیہ کے مطابق ہوگا اور تمام مسائل کا فیصلہ غور و خوض کے بعد تمام ممالک کے محقق علماء کریں گے۔

(۵) میں اس بات کو نہایت زور و تاکید کے ساتھ آپ سے کہتا ہوں کہ مدینہ منورہ حرمہا

---

[1] سلطان کا اس وقت تک پورے حجاز پر کنٹرول نہیں ہوا تھا اور بعض علاقوں میں ابھی تک جنگ یا حالتِ جنگ موجود تھی جس کی وجہ سے راستے مخدوش تھے۔

[2] سلطان مرحوم کے متعلق ان کے دشمنوں اور مذہبی مخالفین نے یہ افواہ بھی اڑائی تھی کہ سلطان انگریزوں کا حامی ہے اور اب وہاں انگریز کا تسلط ہو جائے گا۔ سلطان مرحوم نے ان الفاظ میں اس افواہ کی تردید کی ہے۔

امنا کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس میں قتل وغارت و بربادی جائز نہیں، اس کے شرف واحترام کی وجہ سے میں عرصے سے صرف اس محاصرے پر اکتفا کر رہا ہوں حالانکہ اس میں بہت مالی نقصان ہو رہا ہے اور حالانکہ خدا کی مدد سے میں مدینہ منورہ پر ایک گھنٹے میں قبضہ کر سکتا ہوں لیکن میں بلاد وعباد کی سلامتی چاہتا ہوں۔ میں نے لشکر کو حکم دے دیا ہے کہ کسی بھی صورت میں مدینے پر ہجوم نہ کرے اور اس وقت تک داخل نہ ہو جب تک کہ دشمن خود ہتھیار ڈال کر حوالے نہ کر دے۔ مدینہ منورہ میں جو عمارتیں ہیں ان کے متعلق سابقہ دفعہ کے مطابق عمل کیا جائے گا۔

ہمارے دشمن مشہور کر رہے ہیں کہ جب ہم مدینہ پر قبضہ کریں گے تو روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو منہدم کر دیں گے۔ حاشا۔ کوئی مسلمان ہرگز ایسا نہ کرے گا۔ اگر کوئی ایسا کرے تو میں اس کی حفاظت میں اپنی جان، مال، اولاد قربان کر دوں گا۔ میں اللہ کے حرم مکہ اور رسول کے حرم مدینہ میں کوئی فرق نہیں کرتا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینے کو حرم بنایا۔ جس طرح سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرم کیا۔ میری اللہ سے دعا ہے کہ اس کام کی توفیق دے جس سے وہ راضی ہو۔"

۲۸ ذوالحجہ ۱۳۴۳ھ مہر سلطان

اعلان کے مطابق عمل

احترام مدینہ کے سلسلے میں سلطان عبدالعزیز نے جو یقین دہانی کرائی تھی، اس پر کتنی سختی سے عمل درآمد کرایا گیا۔ اس کا اندازہ سلطان کے ان احکام سے کیا جا سکتا ہے جو انہوں نے اپنی اس فوج کو دیئے جو مدینے کو فتح کرنے پر مامور تھی۔ اس کی کچھ تفصیل اسی دور کے ایک ہندوستانی اخبار نے حجاز کے ایک مؤقر اخبار کے حوالے سے شائع کی تھی جو حسب ذیل ہے۔

"اسی ہفتے کی ڈاک میں ہمارے پاس "ام القریٰ" کا جو پرچہ پہنچا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن سعود نے مزید احتیاط کے لئے نجد کے ایک مشہور عالم شیخ عمر بن

سلیم کو مدینہ منورہ بھیج دیا ہے تاکہ وہ شرعی حیثیت سے محاصرۂ فوج کی نگرانی کریں اور دوران جنگ میں کسی ایسے فعل کا ارتکاب نہ کرنے دیں جو حرمتِ مدینہ کے منافی ہو۔ اس کے ساتھ ایک فرمان فوج کے نام بھی بھیجا جس میں خدا کا واسطہ دے کر اسے حکم دیا ہے کہ حدودِ حرم میں دشمنوں کے خلاف کوئی جنگی کارروائی نہ کریں۔ "ام القریٰ" کا بیان ہے کہ نجدی فوج کو سلطان کے ان پے در پے تاکیدی احکام سے بہت نقصان اٹھانا پڑا ہے چنانچہ وہ ایک مرتبہ کا واقعہ بیان کرتا ہے کہ "جب نجدی فوج نے سلطانی احکام کے مطابق ہر قسم کی جنگی کارروائیوں کو بند کر دیا تو مدینے کی محصور فوج کو یہ گمان ہوا کہ اب شاید نجدیوں کی ہمتیں پست ہو گئی ہیں اور یہ سوچ کر انہوں نے عین نماز فجر کے وقت ہمارے کیمپ پر حملہ کر دیا۔ اوّل اوّل تو اس اچانک حملے سے ہماری فوج میں سخت انتشار پیدا ہو گیا اور وہ دو حصوں میں تقسیم ہو گئی مگر بعد میں اپنی قوت مجتمع کر کے اس پر جوابی حملہ کیا اور انہیں مارتی ہوئی مدینہ کے قریب تک پہنچ گئی لیکن عین شہر کے سامنے جب کہ فتح کے دروازے بالکل کھلے ہوئے تھے، دفعتاً شیخ عمر بن سلیم نے فوج کو للکار کر خبردار آگے نہ بڑھنا، سلطان کی نافرمانی تمہیں سخت سزا کا مستوجب بنا دے گی۔" آخر مجبوراً ہماری فوج کو رک جانا پڑا اور مدینے کی فتح مکمل ہوتے ہوتے رہ گئی۔

ان نقصانات سے ابن سعود کی فوج میں جیسی کچھ بددلی پھیل رہی ہوگی اس کا اندازہ ہر شخص کر سکتا ہے لیکن وہ عالی ظرف انسان احترام مدینۃ الرسول کی خاطر نہ صرف ان حماقتوں کو برداشت کر رہا ہے بلکہ دنیائے اسلام کو مطمئن کرنے کے لئے اپنی فوج کو تاکید کر رہا ہے کہ وہ ذلیل و محکوم ہندوستانیوں کے نمائندوں کی نگرانی و ہدایت پر عمل کرے[1] حالانکہ کوئی خوددار بادشاہ اپنی فوج کے لئے اس ذلت کو پسند نہیں کرتا!"

(اخبار "الجمعیۃ" دہلی۔ ۱۰ دسمبر ۱۹۲۵ء صفحہ ۲ کالم ۲)

یہ تمام تفصیلات شائع شدہ ہیں۔ راقم نے یہ تمام اقتباسات "مسئلہ حجاز پر نظر" مؤلفہ مولانا ثناء اللہ امرتسری مرحوم مطبوعہ ۱۹۲۵ء سے نقل کئے ہیں۔ یہ تمام تفصیلات ڈاکٹر حکیم ملک

---

[1] سلطان نے فوج کو حکم دیا تھا کہ وہ ہندوستانی وفد کی نگرانی میں کام کرے یہ اسی طرف اشارہ ہے

عنایت اللہ نسیم سوہدروی نے اپنی کتاب "مولانا ظفر علی خان اور ان کا عہد" میں بھی نقل کی ہیں

ایک ضروری وضاحت

وفد خلافت کے سلسلے میں یہ وضاحت بھی کر دینی نامناسب نہ ہوگی کہ تین مرتبہ ہندوستان سے خلافت کمیٹی کی طرف سے وفد گئے۔ پہلا وفد ۱۹۲۴ء میں سید سلیمان ندوی کی قیادت میں گیا جب کہ شریف حسین اور سلطان عبدالعزیز کے درمیان جنگ جاری تھی۔ اس وفد کو شریف حسین کے لڑکے امیر علی نے سلطان عبدالعزیز تک نہ جانے دیا۔ بالآخر دو مہینے کے قیام کے بعد یہ وفد جدہ سے ہی واپس آگیا۔

دوسرا وفد ۱۹۲۵ء میں گیا جس میں مولانا محمد علی جوہر، مولانا ظفر علی خان، مولانا محمد عرفان اور شعیب قریشی وغیرہ تھے اور اس وقت سلطان کی پیش قدمی جاری تھی جس کی وجہ سے مقابر و آثر گرائے کی افواہیں گرم اور اس کی وجہ سے ایک خاص طبقے کے جذبات میں گرمی تھی۔ وفد خلافت کی جو رپورٹیں ان دنوں شائع ہوئیں، جن کا کچھ حصہ اوپر نقل کیا گیا ہے اسی دوسرے وفد کی ارسال کردہ ہیں۔

تیسرا وفد خلافت ۱۹۲۶ء میں اس وقت گیا جب پورا حجاز سلطان عبدالعزیز کے زیر انتظام آگیا تھا اور سلطان نے حسب وعدہ ایک مؤتمر اسلامی کا انعقاد کیا تھا جس میں حجاز سے متعلقہ مسائل پر غور و خوض کرنا تھا۔ اسی مؤتمر میں شرکت کے لئے یہ وفد گیا تھا۔ اس کی قیادت بھی پہلے وفد کی طرح سید سلیمان ندوی نے کی تھی اور اس کے ارکان مولانا محمد علی جوہر، مولانا شوکت علی اور شعیب قریشی تھے۔ اس موقع پر ہندوستان سے دو وفد اور بھی گئے تھے۔ ایک اہل حدیث کانفرنس کی طرف سے اور دوسرا جمعیۃ العلمائے ہند کی طرف سے، اس مؤتمر میں بھی حجاز کی سلطنت اور وہاں غیر مسلم اثر و نفوذ وغیرہ مسائل کے ساتھ انہدام قبور کا مسئلہ بھی زیر بحث آیا اور ہندوستانی وفد نے اس طرف توجہ دلائی کہ اس معاملے میں عجلت سے کام لیا گیا ہے جس کی وجہ سے ہندوستانی مسلمانوں میں اضطراب پایا جاتا ہے۔ اگر یہی کام عالم اسلام کے محقق علماء کی آراء حاصل کرنے کے بعد کیا جاتا (جو آپ کی رائے سے مختلف نہ ہوتیں) تو زیادہ بہتر ہوتا۔ اس کے جواب میں سلطان مرحوم نے فرمایا۔

"آپ نے جو کچھ کہا صحیح ہے، میں دل سے یہی چاہتا تھا لیکن مشکل یہ ہے کہ آپ لوگ ہماری

قوم سے واقف نہیں ہیں ان کے متعصب قبائل نے دھمکی دی کہ ہم نے اس لئے جہاد اور اپنا جان و مال قربان کیا تھا کہ مراسم شرک کا استیصال اور قرآن وسنت کو قائم کیا جائے۔ اس لئے جلد سے جلد ان قبوں اور عمارتوں کو منہدم کر دیا جائے، ورنہ ہم خود ان کو گرا دیں گے۔ اس دھمکی کے بعد ہمارے لئے دو ہی صورتیں تھیں یا ان کو بزور اس سے روکتے یا گرانے کی اجازت دے دیتے۔ پہلی صورت میں خانہ جنگی کا اندیشہ تھا اور دوسری صورت میں فتنہ فساد کا۔ جس سے اہل مدینہ کو بھی مصیبت میں مبتلا ہونا پڑتا اور دوسری عمارتوں کو بھی صدمہ پہنچتا اور ان کا مطالبہ غیر شرعی بھی نہیں تھا بلکہ خدا اور رسولؐ کے حکم اور کتاب وسنت کے مطابق تھا۔ اس لئے میں نے قاضی القضاۃ سے خواہش کی کہ وہ خود مدینہ جا کر اس کام کو انجام دیں۔ جو چیز خدا اور رسولؐ کے حکم کے مطابق ہے اس میں اختلاف نہ ہونا چاہیئے" (دیکھئے "حیات سلیمان" مطبوعہ اعظم گڑھ ص ۲۵۷ - ۲۵۹)

تائید مزید

مذکورہ تفصیلات کی تائید اس دور کے اکابر اہل علم کی تحریرات وتقاریر سے بھی ملتی ہے چنانچہ مولانا سید سلیمان ندوی اپنے ایک خطبۂ صدارت میں جو انہوں نے جمعیۃ علمائے ہند کے اجلاس ہفتم منعقدہ کلکتہ ۱۹۲۶ء میں پڑھا تھا لکھتے ہیں۔

" خدا کا شکر ہے کہ حجاز میں بدامنی اور جنگ کے بجائے امن وامان کا دور دورہ ہے گزشتہ سال جو حاجی گئے اور امسال جو وفد خلافت گیا سب نے راستوں کی مامونیت اور قبائل کی اطاعت اور حالات کی درستی کی اطلاع دی اور سلطان کی ذاتی خوبیوں اور لیاقتوں کی تعریف کی۔ اثنائے جنگ میں بعض مقدس عمارتوں کے ساتھ بے ادبی کی اطلاعیں بہت کچھ مبالغہ آمیز نکلیں۔ حجاز کے آثار صحیحہ کی بقاء و استحفاظ کی آرزو ہر مسلمان دل میں موجود ہے اور یقیناً آئندہ مؤتمر اسلامی کا فرض ہوگا کہ ان کی حفاظت کی ذمہ داری موجودہ حکومت حجاز سے حاصل کرے۔ اس بارے میں جمعیۃ العلماء سے یہ درخواست بے جا نہ ہوگی کہ مقابر و آثار متبرکہ صحیحہ اور آثار سلف سے جو کچھ شرعی احکام ثابت ہوں۔ ان سے مسلمانوں کو باخبر کرے اور علمائے نجد وحرمین کو بھی

اس سے متفق بنانے کی کوشش کی جائے" (جمعیۃ العلمائے ہند۔ مرتبہ پروین روزینہ اسلام آباد، جلد اول صفحہ ۲۵۷۔

مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم نے بھی اکتوبر ۱۹۲۵ء میں امیر ابن سعود اور حرمین شریفین اور گنبدوں کے انہدام کا حادثہ، کے عنوان سے ایک نہایت فکر انگیز مضمون لکھا تھا۔ اس مضمون سے بھی گزشتہ تفصیلات کی تائید ہوتی ہے لیکن قبل اس کے کہ مولانا آزاد کے اقتباسات پیش کیے جائیں۔ اس پس منظر کی وضاحت ضروری ہے جس میں وہ مضمون لکھا گیا تھا۔

سلطان عبدالعزیز سے قبل حجاز (مکہ، مدینہ طائف وغیرہ) کا گورنر شریف حسین تھا جو ترکی کی خلافت عثمانیہ کی طرف سے مقرر تھا۔ شریف حسین خلافت عثمانیہ سے بغاوت کر کے نہ صرف انگریزوں کے ساتھ مل گیا بلکہ اس نے ایک طرف عرب کے بعض دوسرے حصوں مثلاً شام، فلسطین اور عراق میں انگریزوں اور فرانسیسیوں کے لئے مداخلت کا دروازہ کھول دیا اور دوسری طرف اس نے حرمین شریفین میں ظلم و ستم کا بازار گرم کر رکھا تھا حتیٰ کہ مسلمانان عالم کے لئے حج کرنا بھی مشکل ہو گیا تھا۔ چنانچہ اکتوبر ۱۹۲۴ء میں سلطان عبدالعزیز، جو ان دنوں نجد و ملحقات کا والی تھا، میدان جنگ میں اترنے پر مجبور ہوا۔ اس نے اپنے ایک جرنیل خالد بن لوی کو پیش قدمی کا حکم دیا۔ اس کے نتیجے میں طائف فتح ہو گیا اور مکہ معظمہ کا راستہ کھل گیا۔ انہی ایام میں شریف حسین کی حکومت سے دست برداری کے بعد اس کا بیٹا امیر علی حجاز کا بادشاہ بن گیا۔ اسی اثنا میں سلطان عبدالعزیز کے عساکر نے حجاز کے باقی حصے بھی مسخر کر لئے۔ آخر امیر علی جدہ چھوڑ جانے پر مجبور ہو گیا۔ نجدی جرنیل (خالد بن لوی) نے طائف نیز مکہ معظمہ میں بعض قبے منہدم کرا دیئے جہاں لوگ بت پرستوں کی طرح مشرکانہ مراسم عبادت بجا لاتے تھے جس پر سلطان کے مذہبی مخالفین نے شور مچا دیا۔ مولانا آزاد نے جب یہ مضمون لکھا اس وقت سلطان عبدالعزیز نجد سے حجاز پہنچ کر مکہ معظمہ میں امور نظم کا کفیل بن چکا تھا۔ تاہم امیر علی جدہ پر قابض تھا جو حاجیوں کی بندرگاہ تھا اور اس نے حاجیوں کے لئے اس بندرگاہ کو بند کر دیا تھا چنانچہ سلطان نے فوراً قنفذہ، لیث اور رابغ کی بندرگاہوں میں حاجیوں کے اترنے کا انتظام کر دیا۔ یوں یہ مضمون گویا حجاز کے آخری فیصلہ ہو جانے اور سلطان عبدالعزیز کے ملک الحجاز

والبحرین جانے سے پیشتر کا ہے۔ اب مولانا کے اقتباسات ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) کج اندیش، باطل پسند، امیر علی کے ایجنٹوں اور خلافت کمیٹی سے ذاتی عناد رکھنے والوں نے یہ شور مچایا۔ مولانا کے الفاظ میں "پیشتر سے مختفر عناصر اور گوشے پیش رفت کار کے منتظر تھے، اس مہلت نے تعویذ غیبی کا کام دیا۔ اب سب یکجا و ہم آہنگ ہو گئے، علم و تحقیق کے فقدان اور افراط و تفریط کے ذوق، فریقانہ تعصب کی آلودگی اور اہل اغراض و ہوا کی فتنہ پردازیوں نے ایک ہنگامۂ حقیقت آشوب برپا کر دیا۔ ایک طرف امیر علی کے ایجنٹ ہیں . . . دوسری طرف وہ لوگ ہیں جنہیں مرکزی خلافت کمیٹی یا اس کے بعض ارکان سے ذاتی مخالفتیں تھیں۔ ان کی فرصت طلبی بھلا یہ موقع کیوں جانے دیتی؟ وہ بھی پوری سرگرمی سے شریک کار ہو گئے" (تبرکات آزاد، مرتبہ مولانا غلام رسول مہر) صفحہ ۲۶۲-۲۶۳۔

(۲) دوسرا سبب فرقہ بندیوں کا ہے۔ لکھتے ہیں

"تیسری طرف جسم امت کا مرض مزمن ہے یعنی مذہبی فرقہ بندیوں کا فتنہ خوابیدہ۔ اسے بھی چیخ چیخ کر بیدار کیا جا رہا ہے۔ بجائے اس کے کہ اصلی معاملے پر اعتدال کے ساتھ رائے قائم کی جائے، کوشش کی جا رہی ہے کہ عامۃ الناس میں کسی نہ کسی طرح مذہبی فرقہ بندی کے تعصب کی آگ بھڑک اٹھے"۔ (ص ۲۶۳)

(۳) تیسرا سبب عوام کی بھیڑ چال ہے، مولانا لکھتے ہیں

"مصیبت ہر طرح عوام کے لئے ہے وہ صرف جوش و جذبہ کی مخلوق ہیں۔ نہ ان میں دماغ ہے نہ ارادہ و اختیار۔ فوری تاثر و انفعال ان کا خاصۂ مزاج ہے۔ جب چاہیئے تھوڑی دیر کے لئے برانگیختہ کر دیجیئے۔ خصوصاً ایسی حالت میں کہ بہ آسانی مذہبی جذبات، ہیجان میں لائے جا سکیں۔ اس فتنہ آرائی میں نہ تو اخلاص ہے، نہ سچائی جھوٹ کا کارخانہ کتنا ہی مضبوط بنایا جائے آخر اسے ٹوٹنا اور نابود ہونا ہے۔ دوام و ثبات صرف حقیقت ہی کے لئے ہے"

(ص ۲۶۴)

اس کے بعد مولانا نے مسلمانوں کو اتباع حق اور اعتدال فکر کی دعوت دی ہے کہ ہمیں اشخاص اور جماعتوں سے کوئی تعلق نہیں۔ ہمارے پیش نظر صرف مقاصد اور اصول ہیں۔

ہمیں نہ امیر ابن سعود سے کوئی تعلق ہے۔ نہ شریف حسین اور امیر علی سے کوئی ذاتی مخالفت جو کچھ ہے اسلام کے لئے ہے۔ مسلمانوں کے لئے ہے۔ اگر ہم حرمین شریفین کی حفاظت کے لئے بھی اپنے اندر بے طرفدارانہ اور مخلصانہ روح عمل پیدا نہیں کر سکتے تو ہمیں یقین کر لینا چاہیئے کہ ہم اسلام کے اہم ترین مقاصد کے لئے کچھ نہیں کر سکتے۔" (ص ۲۶۴)

پھر آگے چل کر لکھتے ہیں :۔

"یہ ظاہر و معلوم ہے کہ شریف حسین کا مفسدانہ قبضۂ حجاز اسلام اور مسلمانوں کے لئے ایک بدترین تاریخی مصیبت تھا۔ حب الوطنی کے نقطۂ خیال سے اس کا اخراج ہر عرب کے لئے ایک قومی فرض تھا اور شرعی احکام کی رو سے تمام مسلمانانِ عالم پر فرض کفایہ تھا۔ تاہم مسلمانانِ ہند اور خلافت کمیٹی نے امیر ابن سعود سے التجائیں نہیں کیں کہ شریف حسین پر حملہ کر دے اور جب اس نے خود بخود حملہ کیا تو شریف کے آگے ہاتھ نہیں جوڑے کہ نامردوں کی طرح بلا مقابلہ بھاگ جائے جو کچھ پیش آیا وہ وہاں کی حالت کا قدرتی نتیجہ تھا۔ خود شریف حسین ہی کی بداعمالیاں اس کا باعث ہوئیں۔ زیادہ تر اس کا وہ ظالمانہ طرز عمل باعث ہوا جو ۹ سال سے اہل نجد کے خلاف عمل میں لا رہا تھا اور ان پر حج کا دروازہ بند کر دیا تھا جس کی بندش کے بعد مسلمانوں پر قتال واجب ہو جاتا ہے البتہ خلافت کمیٹی کا فرض تھا کہ اس موقع پر اصلاحِ حال اور حفظ مصالح کے لئے جو کچھ کر سکتی تھی اس میں کوتاہی نہ کرتی۔ اب فیصلہ کرنا چاہیئے کہ اس نے ایسا کیا یا نہیں ؟

ہر انسان جس کا تعصب اس درجے تک نہ پہنچا ہو کہ حقائق کے انکار پر آمادہ ہو جائے تسلیم کرے گا کہ خلافت کمیٹی نے حملہ طائف کی خبر سنتے ہی وہ سب کچھ کیا جو مسلمانانِ ہند یا کوئی ایسی ہی جماعت موجودہ حالات میں کر سکتی تھی۔ اس نے نجد کے حملے کی خبر سنتے ہی امیر ابن سعود کے نام پے در پے پیامات بھیجنے شروع کر دیئے جن میں جنگ و خونریزی کے امتناع اور تمام مقامات و مزارات حجاز کی حفاظت کے لئے صاف صاف لفظوں میں زور دیا گیا تھا۔ ... امیر ابن سعود کی جانب سے جو جوابات موصول ہوئے وہ مع کمیٹی کے پیغامات کے ہر وقت مشتہر ہوتے رہتے لڑائی کی نسبت امیر موصوف کا جواب تھا کہ " ذمہ داری ان پر نہیں شریف پر ہے" مقدس مقامات کے حفظ و احترام کی نسبت جواب وہی تھا جو قدرتی طور پر مسلمان کا ہو سکتا ہے یعنی ان کا پورا

احترام ملحوظ رہے گا۔ خلافت کمیٹی نے اس پر بھی قناعت نہیں کی۔ ایک وفد بھیجا تاکہ ابن سعود سے مل کر مستقبل حجاز پر گفت و شنید کرے اور اہل نجد کے طرز عمل اور قبضۂ حجاز کے نتائج کا بچشم خود معائنہ کرے۔ ہر شخص جانتا ہے اس وفد کی تحقیق و معائنے میں جو طاقت حائل ہوئی وہ ابن سعود کی نہ تھی جو بار بار دعوتیں دے رہا اور انتظام کر رہا تھا بلکہ امیر علی اور اس کی مفسدانہ اور خود ساختہ حکومت جدہ کی تھی جس نے وفد کو آگے بڑھنے کا موقعہ دینے سے قطعی انکار کر دیا (تاہم سلطان عبدالعزیز بن سعود کے متبادل انتظامات کی وجہ سے دیگر حاجیوں کے ساتھ وفد خلافت کمیٹی بھی حجاز پہنچا)

ان نمائندوں نے وہاں جاکر امیر ابن سعود کے حسن انتظام و ادارت کے ہر طرف مناظر دیکھے، وہاں یہ بات بھی دیکھی اور معلوم کی کہ بعض قبائل نجد نے داخلۂ مکہ کے بعد بعض مقابر و مشاہد کے گنبد گرا دیئے اور بعض کے بعض حصص عمارت منہدم کر دیئے۔ انہوں نے اس بات پر پوری سرگرمی کے ساتھ اعتراض کیا اور آئندہ کے لئے اطمینان چاہا کہ ایسے واقعات ظہور میں نہ آئیں گے۔ امیر موصوف نے پوری کشادہ دلی اور آمادگی کے ساتھ اعتراضات سنے، حقیقت حال واضح کی اور آئندہ کے لئے وضاحت اور وثوق کے ساتھ اطمینان دلایا۔

ہر طرح کی غلطی اور غلط فہمی برداشت کی جاسکتی ہے لیکن جہل و تعصب کا کیا علاج ہے؟ جن گرفتاران جہل نے سمجھ بوجھ اور انصاف کے خلاف قسم کھالی ہو انہیں کوئی سمجھائے تو کیونکر؟ ہم علم و انصاف سے اپیل کر سکتے ہیں، لیکن علم و انصاف خلق نہیں کر سکتے۔ معاملات حجاز میں ہمارا سابقہ شریف حسین سے بھی رہ چکا ہے۔ اب امیر ابن سعود سے بھی درپیش ہے جو واقعات پیش آئے اور پیش آرہے ہیں تمام دنیا پر آشکارا ہیں۔ جوش میں آنے اور لڑمرنے کی کوئی بات نہیں۔ ٹھنڈے دل سے صرف اتنی بات پر غور کر لو کہ جہاں تک ہماری کوشش اور اس کی اثر پذیری کا تعلق ہے ان دونوں زمانوں میں صورت حال کیا رہی ہے؟

اس کے بعد مولانا نے بتلایا ہے کہ شریف حسین کے پاس سوائے آگمونڈ کے پرقریب معدودں کے کوئی قوت نہ تھی (۲) مرکز اسلام میں اس کا الحاد و ظلم اور فتنہ و فساد اس درجے کا تھا کہ پوری تاریخ اسلام میں بحیثیت مجموعی اپنی نظیر نہیں رکھتا (۳) کامل نو سال تک نہ صرف

مسلمانانِ ہند بلکہ تمام دنیا کے مسلمان اس سے بیزار رہے اور اس کی مخالفت و سرزنش میں ہم آہنگ باایں ہمہ اس نے ایک لمحے کے لئے مسلمانانِ ہند یا کسی حصہ عالم کے مسلمانوں کا اتنا حق بھی تسلیم نہیں کیا کہ اپنی خواہشیں اس کے اعمال کے خلاف پیش کریں۔ تمام دنیا کے مسلمان ایک مرتبہ بھی اس میں کامیاب نہ ہو سکے کہ اس کے ظالمانہ و مفسدانہ اعمال کے خلاف کوئی ایک احتجاج یا اعتراض تسلیم کرائیں یا کوئی وعدہ۔ کوئی اعتراف، کسی طرح کی بھی اطمینان دہی کا اطمینان حاصل کر سکیں لیکن اس کے برخلاف امیر عبدالعزیز ابن سعود۔ عرب کی سب سے بڑی مسلح قوت کا مالک ہے اس نے بزور شمشیر شریف کو فرار پر مجبور کیا اور حجاز پر قابض ہو گیا (۲) اس نے مرکز اسلام کو ایک ایسے فتنے سے پاک کیا جس کا ازالہ تمام مسلمانانِ عالم پر فرض کفایہ تھا (۳) اس کا داخلہ حجاز کے لئے امن و انتظام کی بشارت تھا۔ اس نے اپنی حیرت انگیز قوت تدبر و سیاست سے وہاں کی تمام روایتی بدامنیاں دور کر دیں۔ عرصے کے بعد وہاں حجاج کو امن و عدالت کی صورت نظر آئی۔

باایں ہمہ مسلمانانِ ہند کے نمائندے جاتے ہیں اور اس کی فوج اور اس کے فرستادہ شریف خالد کی اس کارروائی پر اعتراض کرتے ہیں کہ بعض مقابر و مشاہد گرا دیئے گئے۔ ان عمارات محدثہ کے گرانے کے بارے میں اگرچہ اس کے پاس دلائل شرع کا انبار ہے تاہم وہ مسلمانانِ ہند کے حقِ اعتراض کا اعتراف کرتا ہے، اعلان عام کرتا ہے اور ہر طرح اطمینان دلاتا ہے کہ اس طرح کا کوئی واقعہ ظہور میں نہ آئے گا۔ اب خدارا انصاف کرو دونوں حالتوں میں سے کون سی حالت قابل اطمینان ہے کیا فہم و انصاف کا اس قدر قحط ہو گیا کہ اتنی صاف اور قطعی بات بھی لوگوں کی سمجھ میں نہ آئے گی۔ **فما لهؤلاء القوم لا يكادون يفقهون حديثا۔**

(تبرکات آزاد۔ ص ۲۷۲-۲۷۷)

مولانا ابوالکلام آزاد کا یہ پورا مضمون بڑا اہم اور قابلِ مطالعہ ہے ہم نے اس کے ضروری حصے ہی نقل کئے ہیں جن سے سلطان عبدالعزیز کے مذہبی مخالفین کے اعتراضات کی پوری حقیقت واضح اور سلطان مرحوم کے اقدامات کی تائید و تصویب اور اس کی مومنانہ فراست اور خداداد صلاحیت نظم و تدبیر آشکارا ہو جاتی ہے۔

مولانا ظفر علی خان نے بھی متعدد نظموں میں سلطان مرحوم اور ان کے مخالفین کے بارے میں اظہار رائے کیا ہے۔ ذیل میں ان کی نظموں سے چند اشعار پیش کئے جاتے ہیں ؎

خطرہ ہے شرقِ اردن و طرفِ عراق سے
ابن سعود شاہ شریعت نواز کو
یہ اس لئے کہ نجد میں اس نے کیا ہے فاش
دین مبین کے سیزدہ ۱۳ صد سالہ راز کو
اسلام کو جو عرب میں قرنوں سے ہے نصیب
کھونا وہ چاہتا نہیں اس امتیاز کو

؎ ابن سعود کو ملا مرتبہ یداللّٰہی
تازہ بہانہ مل گیا رحمت کردگار کو
آذریوں کو بزم میں مہلت رقص بھی نہ دی
مصطفوی چراغ نے بو لہبی شرار کو

؎ نجدیوں پر تھوپ دو الزام تو ہیں حرم
خواہ انہوں نے برج کی اس کی اک بھی ڈھائی نہ ہو

؎ حرم والوں کی جمعیت پریشاں ہو نہیں سکتی
کہ ہے اس دور میں شیرازہ بند ابن سعودؒ اس کا

؎ نہ بچا فریب فرنگ سے کوئی تاجور کوئی باجور
مگر اک حرم کا وہ پاسباں جو ہے سر بسجدہ نماز میں
نہیں فیض ابن سعود کا یہ ہے لطف رب ودود کا
کہ سلف کے عہد کی رونقیں نظر آ رہی ہیں حجاز میں

مولانا ظفر علی کی یہ نظمیں ان کے مجموعہ ہائے کلام میں دیکھی جا سکتی ہیں۔ اخبار کی تنگ دامانی ان کے نقل کرنے میں مانع ہے تاہم دو شعر اور سن لیجئے جس میں مسئلہ انہدام قبور میں شیعہ بریلوی اتحاد کی طرف اشارہ کیا ہے۔ فرماتے ہیں۔

سہ شیعہ بریلوی سے گلے مل رہا ہے آج
اور لکھنؤ میں دونوں کا قارورہ مل گیا

سہ شیعوں اور سنیوں میں ہو چلا ہے اتحاد
یہ بھی اک سازش کہیں یارو کلیسائی نہ ہو

معلوم ہوتا ہے "کلیسائی سازش" کا یہ دائرہ مزید وسعت اختیار کر گیا ہے ۔ شیعہ بریلوی اتحاد میں جماعت اسلامی بھی شامل ہو گئی ہے اور اس "تثلیث" نے "حج سیمینار" کے نام پر افتراق و انتشار کا وہ پرانا فتنہ پھر سے کھڑا کرنے کی مذموم کوشش کی ہے جو ماہ و سال کی گردشوں میں دب گیا تھا۔

بہرحال گزشتہ تفصیلات اور اکابر اہل علم کے بیانات سے واضح ہے کہ سلطان عبدالعزیز پر مقدس مقامات کی بیحرمتی کا الزام بے ثبوت ہے۔ بعض پختہ قبریں یا القبر پر بنے ہوئے گنبد اگر کہیں ڈھائے گئے ہیں تو اس سے مقصود کسی کی اہانت نہیں بلکہ شریعت اسلامیہ کا حکم سمجھ کر ایسا کیا گیا ہے۔

شاہ مرحوم کا یہ چیلنج ابھی تک تشنۂ جواب ہے کہ اگر دنیا کے محقق علماء شریعت اسلامیہ کی رُو سے پختہ قبروں اور ان پر گنبد وغیرہ تعمیر کرانے کا جواز ، استحباب مہیا کر دیں تو میں ان آثار و مبانی کو دوبارہ سونے چاندی سے تعمیر کرنے کے لئے تیار ہوں۔

افسوس ہے کہ اس چیلنج کو قرآن کے مذہبی مخالفین نے قبول نہیں کیا اور کوئی معقول ثبوت قبروں کے پختہ بنانے اور ان پر قبے تعمیر کرنے اور وہاں دیگر امور و مراسم کی ادائیگی کا تو پیش کیا نہیں لیکن آج جب کہ یہ بحث کبھی کی ختم ہو چکی ہے اسے دوبارہ اٹھا کر اس سعودی حکومت کے خلاف عوام کے ذہنوں کو مسموم کرنے کی سعی کی جا رہی ہے جو اس وقت اپنی بعض کوتاہیوں کے باوصف عالم اسلام کی ایسی واحد اسلامی مملکت ہے جہاں اسلامی سزائیں نافذ ہیں اور عدل انصاف کا دور دورہ ہے اور عالم اسلام اور مسلمانانِ عالم کی فلاح و بہبود کے لئے اس کے خزانوں کا منہ کھلا ہوا ہے اور جس کے حُسنِ انتظام وسعی سے اطراف و اکناف عالم میں اسلام کی تبلیغ کا کام پورے خلوص اور تندہی سے جاری ہے اور پاکستان کے ساتھ بالخصوص جس کے خصوصی

برادرانہ و ہمدردانہ تعلقات ہیں اور اس کے عسر و یسر کا وہ بے لوث ساتھی ہے۔

الغرض جس لحاظ سے بھی دیکھا جائے سعودی حکومت کے خلاف اس انداز کی مہم جس کا مظاہرہ "حج سیمینار" میں دیکھنے میں آیا ہے، کوئی جواز نہیں ہے۔ حکومت کا فرض ہے کہ وہ تحقیق کر کے پتہ چلائے کہ اس پردۂ زنگاری کے پیچھے کون ہے؟ اس کے محرکات و دواعی کیا ہیں؟ اور وہ اصل ہدایت کار کون ہے جس کی تحریک و ایماء پر یہ اداکاری کی جا رہی ہے؟

(ہفت روزہ الاعتصام ۲۴ اگست ۱۹۸۴ء)

تطہیرِ یثرب

داخل ہوا مدینے میں ابنِ سعود آج
پھر جوش پر ہے رحمتِ ربِّ وُدود آج

توحید کا عرب میں علَم سربلند ہے
قائم ہوئی ہیں شرعِ نبیؐ کی حدود آج

ہیں غازیانِ نجد پیمبرؐ کے پاسباں
یثرب میں خیمہ زن ہیں خدا کے جنود آج

آتے ہی مسجدِ نبویؐ میں پڑھی نماز
کیا لطف دے گیا ہے رکوع و سجود آج

منکر بتائے جاتے تھے جن نامِ پاک کے
اُس پر یہ لوگ بھیجتے ہیں درود آج

اس جھوٹ کا کہ گنبدِ خضرا ہوا شہید
سلطان نے بکھیر دیا تار و پود آج

ہم کو ہے پاسِ عہد کہ ابنِ سعود کو؟
کس کو ہیں یادِ ازل کے عہود و عقود آج

کل جس کے نام سے بھی نہ عالم تھا آشنا
ہم اس کے پاس لے کے چلے ہیں وفود آج

رگ رگ میں موجِ خونِ سلف دوڑنے لگی
مٹنے لگا ہے تفرقۂ ہست و بود آج

قبرص میں ہے حسینؐ تو فیصل عراق میں
نابود ہے حجاز میں ان کا وجود آج

اک رہ گیا علیؐ سو اسے دیکھ دیکھ کر
یاد آرہی ہے مجھ کو حدیثِ ثمود آج

جدہ سے رہ گرائے فلسطین ہی تو ہو
جو بن رہا ہے جائے پناہِ یہود آج

(بہارستان صفحہ ۲۸۲)

۱۹۲۰ء حسین، فیصل اور علی یہ تینوں انگریز کے وفادار تھے، اور اسی وفاداری کے صلے میں عرب کے حصے بخرے کر کے انگریز نے ان کو چھوٹی چھوٹی مملکتوں کا حکمران بنایا تھا۔ یہ نظم جس وقت لکھی گئی جدہ اس وقت ابھی علی بن حسین شریفِ مکہ کے ہی قبضے میں تھا۔ تاہم آثار صاف بتلا رہے تھے کہ عنقریب ہی یہ جدے سے بھی راہِ فرار اختیار کر جائے گا۔ چنانچہ جلد ہی پورے حجاز کی تطہیر ہو گئی اور نجد کے والی سلطان عبدالعزیز پورے حجاز کے سلطان بن گئے۔ یہی نجد و حجاز اب سعودی عرب کہلاتا ہے (ص۔ ی)

مولانا ظفر علی خاں مرحوم

امیر المؤمنین ابن سعودؒ

جب اٹھاتا ہے حجاب آستین ابنِ سعود
آنکھ سے لاتا ہے نذر گوہریں ابن سعود

اپنے مولا سے کرالیتا ہے نذر اپنی قبول
کعبہ کی دہلیز پر رکھ کر جبیں ابن سعود

جس کو دنیا میں لٹا یا تھا رسول اللہؐ نے
ہے اسی گنج سعادت کا امیں ابن سعود

اک نہ اک دن ہو گی تطہیر عراق وشام بھی
حل یہ مشکل بھی کرے گا بالیقین ابن سعود

وقت جب آیا کہ فتنوں سے ہو پاک ارض حجاز
بن گیا تقدیر رب العالمین ابن سعود

اس کے قدموں پر چلے گی ساری دنیا ایک روز
ہے محمدؐ کا غلام کمترین ابنِ سعود

دولت اس کی ہے کنیز، اقبال اس کا غلام
سلطنت انگشتری ہے اور نگیں ابن سعود

ایک صف میں سب کھڑے ہو کر نہ پڑھ سکتے نماز
گر نہ ہوتا صاحبِ ذوقِ یقیں ابن سعود

تاکتی ہے خرمنِ تاتار کو برقِ فرنگ
لیکن اس کی زد میں آ سکتا نہیں ابن سعود

لرزہ بر اندام ہے باطل کہ گونجا نجد میں
بیشۂ اسلام سے شیرِ عریں ابن سعود

نجد کی لیلیٰ پہ مر جانے لگے مجنوں سنیے
ہند کا محمل ہے اور محمل نشیں ابن سعود

ہے لباسِ کعبہ کا پیوند زریں اس کی جیب
جیب میں لایا ہے لولوئے ثمیں ابن سعود

ہے دلِ ملت پہ نقش اس کی ارادت ہر طرف
حکمراں ہے از مراکش تا بہ چیں ابن سعود

لکھیے اس کو حارسِ شرعِ مبیں عبدالعزیز
کہیے اس کو حامیِ دینِ مبیں ابن سعود

ہم زباں پھر قدسیوں کا ہو کے کہیے برملا
ہے لقب اس کا امیر المؤمنیں ابن سعود

(بہارستان ص ۲۶۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمودات

○ إِنَّ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ كَانُوا يَتَّخِذُونَ قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ وَصَالِحِيهِمْ مَسَاجِدَ أَلَا فَلَا تَتَّخِذُوا الْقُبُورَ مَسَاجِدَ إِنِّي أَنْهَاكُمْ عَنْ ذَالِكَ (صحیح مسلم، جلد اوّل، ص ۲۰۱)

"بلا شبہ تم سے پہلے جو لوگ (یہود و نصاریٰ) تھے، انہوں نے اپنے نبیوں اور نیک لوگوں کی قبروں کو سجدہ گاہ (عبادت گاہ) بنالیا تھا۔ خبردار! تم قبروں کو عبادت گاہ نہ بنانا، میں تم کو اس سے منع کرتا ہوں"

○ عن ابن عباس قال لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زَائِرَاتِ الْقُبُورِ وَالْمُتَّخِذِينَ عَلَيْهَا الْمَسَاجِدَ وَالسُّرُجَ (سنن نسائی، کتاب الجنائز ص ۲۲۳)

"حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے درج ذیل افراد پر لعنت فرمائی ہے۔

قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں پر

قبروں پر مسجدیں بنانے والوں پر

اور قبروں پر چراغ جلانے والوں پر"

اَللّٰهُمَّ احْفَظْنَا مِنْهُمْ

www.KitaboSunnat.com